جلوہ نمائی
محی الدین نواب

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اہتمامِ اشاعت ــ مُحمّد سلیم رفائی
بار اول ـــــ ۲۰۰۱ء
مَطبع ـــــ یُوایںڈی پرنٹرز لاہور
قیمت ـــــ -/۱۰۰ روپے

جلوہ نمائی

جلوہ نمائی کی بات چلے تو ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی محبت کا چہرہ روشن ہو جاتا ہے۔ پیاسی آنکھیں بار بار اس پردے کو تکتی ہیں جہاں چاند جھلک دکھا کر چھپ گیا ہے۔ چاند بھی خوب سمجھتا ہے کہ چھپ چھپ کر سامنے آئے گا تو اس کی قدروقیمت بڑھ جائے گی۔

ISBN 969-517-027-7

اے' جی خسرو نے چیختے چیختے ڈائس پر ایک زور دار گھونسہ مارا۔ اس کے ساتھ ہی ڈائس پر رکھا ہوا مائک لرز گیا۔ اس کے تار اِدھر اُدھر ہو گئے۔ دور دور تک تالیوں کا شور گونجنے لگا۔ اسٹیج پر کھڑے ہوئے ایک سیاسی ورکر نے زور کا نعرہ لگایا۔ "نعرہ تکبیر؟"

حاضرین جلسہ نے پورے جوش و خروش سے کہا۔ "اللہ اکبر۔"

پھر سیاسی ورکر نے سوال کیا۔ "پاکستان؟"

حاضرین جلسہ نے وہی رٹا رٹایا جواب دیا۔ "زندہ باد۔"

اسی طرح نعرے بازیاں ہوتی رہیں۔ پھر اے' جی خسرو نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر حاضرین جلسہ سے خاموش رہنے کی درخواست کی اور کہا۔ "میرے بزرگو! میرے بھائیو! ہم نے پاکستان میں اٹھائیس برس تک زندہ باد کے نعرے لگاتے لگاتے اپنے قیمتی وقت کو مردہ باد کر دیا۔ یہ غور کرنے کا مقام ہے۔ ہم زندہ باد اسی وقت ہو سکتے ہیں جب ہم عملی طور پر کچھ دکھائیں۔ اس حکومت نے روٹی' کپڑا مکان کا نعرہ لگایا تھا لیکن آج بھی ہم بے مکان' بے سروسامان ہیں۔ میں آپ سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کروں گا جسے پورا نہ کر سکوں۔ میں آپ کے لئے نیند کی گولیاں لے کر نہیں آیا ہوں۔ میں آپ کو سہانے خواب نہیں دکھاؤں گا۔ میں عمل کی دعوت دینے آیا ہوں۔ وہ عمل کیا ہے؟ اس سے پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ یہ حکومت مہنگائی بڑھاتی ہے تو آپ اس مہنگائی کو خوش آمدید کیوں کہتے ہیں؟

میرے بزرگو! میرے بھائیو! میرے دوستو! جب ہم آپ کے ووٹوں سے اقتدار حاصل کریں گے تو مہنگائی بڑھانے والوں کا محاسبہ کریں گے لیکن ابھی ہم آپ کا محاسبہ کرتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ اگر آپ لوگ سگریٹ نہ پئیں تو دکانوں میں سگریٹ نظر نہ آئیں۔ اگر آپ شراب نہ پئیں تو یہ جگہ جگہ کھلے ہوئے بار بند ہو جائیں۔

چلئے' شراب کا تعلق عوام سے نہیں ہے۔ اسے نشے کے عادی لوگ پیتے ہیں لیکن سگریٹ پینے والوں کی اکثریت ہے۔ ہم یہ سوچیں کہ ہماری زندگی کے لئے لازمی خوراک یا ہماری لازمی ضرورت کیا ہے؟

گوشت کھانا ہمارے لئے لازمی نہیں ہے۔ ہم اس کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں لیکن آپ آئے دن دیکھتے رہتے ہیں کہ گوشت کی دکانوں میں سب سے زیادہ بھیڑ ہوتی ہے۔ پہلے گائے کا گوشت صرف چھ روپے سیر ملتا تھا اور بکرے کا گوشت گیارہ اور بارہ روپے سیر ملتا تھا۔ آج بکرے کا گوشت سولہ روپے سیر ہے اور گائے کا گوشت دس روپے۔ اگر آپ کی خریداری کا یہی عالم رہا تو آئندہ چھ برسوں میں یہی گوشت تیس روپے اور پچاس روپے سیر کے حساب سے ملے گا اور تب بھی آپ اسی جوش و خروش سے' اسی شوق سے خرید کر کھائیں گے اور ماتم کریں گے کہ مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔

آپ یقین کریں کہ مہنگائی کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ہم اور آپ دیتے ہیں۔ دکاندار تو محض ایک ریٹ مقرر کرتا ہے اور چپ چاپ بیٹھا دیکھتا ہے کہ موجودہ ریٹ پر خریدنے والے کتنے ہیں۔ جب خریداروں کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اس چیز کو بازار سے غائب کردیتا ہے۔ پھر کہیں کہیں دکانوں پر پہنچاتا ہے تاکہ وہ چیز بلیک میں فروخت ہوسکے۔ جب لوگ بلیک میں خریدنے لگتے ہیں تب اچانک وہی چیز اپنی بڑھی ہوئی قیمت کے ساتھ بازار میں پہنچ جاتی ہے اور آپ لوگ اسی مہنگائی کے ساتھ اسے قبول کرلیتے ہیں۔

آج جبکہ ہم سب اپنا اپنا محاسبہ کر رہے ہیں تو ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہم جان بوجھ کر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ہماری کون سی کمزوری آڑے آتی ہے؟ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کسی چیز کی بھی جلوہ نمائی آدمی کو بے خود کردیتی ہے۔ ایک چیز جلوہ دکھا کر چھپ جائے تو تڑپا کر رکھ دیتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس کو ہر قیمت پر پھر دیکھیں۔ پھر اس نظارے سے لطف اندوز ہوں۔ کاروبار کرنے والے انسانی نفسیات کو خوب سمجھتے ہیں۔ اسی لئے سگریٹ ہوں یا گوشت' پہلے وہ آپ کی زبان پر چسکا لگاتے ہیں۔ اسے بازار میں دکھاتے ہیں پھر چھپاتے ہیں۔ چھپا کر اس کا بھاؤ بڑھاتے ہیں' اور جب آپ کی تڑپ' آپ کی بے چینی اسے ہر قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار ہوجاتی ہے تو وہی چیز جلوہ نما

ہوجاتی ہے اور آپ ایک عاشق زار کی طرح اسے ہر قیمت پر گلے لگا لیتے ہیں۔"

اے' جی خسرو نے ڈائس پر پھر گھونسہ مارتے ہوئے پوچھا۔ "میں پوچھتا ہوں۔ کیا ایسے وقت ہم سب عقل سے خالی ہو جاتے ہیں؟ ہم سمجھ بوجھ سے کام نہیں لے سکتے؟ میں آپ سے ایک اخلاقی سوال کرتا ہوں۔ سوال یہ ہے' کہ ہمارے اس جلسے میں کوئی خوبصورت لڑکی جلوہ نمائی کے سازو سامان سے آراستہ ہوکر آجائے تو کیا ہم اس کے دیوانے ہوجائیں گے؟ اور پھر وہ چھپ جائے تو کیا اسے ہر قیمت پر دیکھنے کی ضد کریں گے؟"

اس کا سوال پورا ہوگیا۔ وہ جواب بن کر آگئی پہلے تو پتہ نہ چلا کہ کہاں سے آگئی' کیسے آگئی۔ بس یوں لگا جیسے سیدھی آسمان سے اتر کر شامیانے کو چھید کر جلسہ گاہ میں پہنچ گئی ہو۔ اسے دیکھتے ہی اے' جی خسرو کی تقریر ٹھٹھک کر رہ گئی۔

اب وہ اتنی حسین بھی نہیں تھی کہ کوئی اس کے لئے اپنا تخت چھوڑ دیتا' اور اپنا تاج اس کے قدموں پر رکھ دیتا۔ بس وہ حسین تھی اور اے' جی خسرو کسی کے حسن سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ٹھٹھک جانے والی تقریر کو دھکا دے کر آگے بڑھایا۔ "ہاں' تو میرے بزرگو! میرے بھائیو! میرے دوستو! میں کہہ رہا تھا۔ میں کہہ رہا تھا......... ہاں کہہ رہا تھا کہ مہنگائی' اس مہنگائی کا مقابلہ ہم کرسکتے ہیں۔ اگر آپ میرا ساتھ دیں تو ہم چند ہفتوں میں یا چند مہینوں میں اس مہنگائی کا منہ توڑ جواب دیں گے اور اسے ہمیشہ کے لئے ختم کردیں گے۔"

حاضرین بیک وقت کہنے لگے۔ "ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مہنگائی کو ختم کرنے کے لئے ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔"

اس شور وغل میں اے' جی خسرو نے دیکھا۔ وہ اسٹیج کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے چھوٹے سے کیمرے کو اپنی آنکھ سے لگایا۔ پھر ایک آنکھ دبائی اور اے' جی خسرو کی تصویر اتارلی۔ خسرو ایک دم سے چونک گیا۔ اسے یوں لگا جیسے دوشیزہ نے آنکھ ماری ہو۔ پھر دماغ نے سمجھایا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کیمرے سے تصویر اتارتے وقت ایک آنکھ عموماً دبائی جاتی ہے اور دوسری آنکھ سے تصویر کی فریمنگ کی جاتی ہے تب اسنیپ لیا جاتا ہے۔ دوشیزہ نے اسی لئے آنکھ دبائی تھی لیکن دل نے کہا' لڑکی نے آنکھ ماری ہے اور وہ دیکھو'

تصویر اتارنے کے بعد دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔

ایک دم سے دماغ میں بات آئی کہ یہ اپوزیشن پارٹی والوں کی شرارت ہے۔ انہوں نے اسے ہوٹ کرنے کے لئے ایک لڑکی کو پریس فوٹوگرافر بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہم کوئی اعتراض نہ کرسکیں۔ حاضرین مختلف نعرے لگانے کے بعد خاموش ہو گئے تھے۔ اے' جی خسرو نے کہا۔ "میں نے ایک منصوبہ بنایا ہے۔ ہم سب مل کر ایک تحریک چلائیں گے' جس طرح ہفتہ صفائی اور ہفتہ بچت وغیرہ کی تحریکیں چلتی ہیں اسی طرح ہم ایک ماہ تک "مہنگائی تباہ" کی تحریک چلائیں گے۔"

ایک سیاسی چمچے نے اسٹیج پر سے نعرہ لگایا۔ "بولو بولو مہنگائی تباہ۔"

تمام حاضرین نعرے لگانے لگے۔ "مہنگائی تباہ' مہنگائی تباہ.........."

وہ دوشیزہ اب اسٹیج کے دوسری طرف جاکر دوسرے زاویے سے اس کی تصویر اتار رہی تھی۔ خسرو نے ڈائس کی طرف سے پلٹ کر اپنے پیچھے کرسی پر بیٹھے ہوئے اپنے پارٹی سیکرٹری سے کہا۔ "ذرا اس لڑکی کو دیکھنا کہیں وہ اپوزیشن پارٹی سے تعلق نہ رکھتی ہو۔"

پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے اس دوشیزہ کی طرف دیکھا۔ پھر مسکرا کر کہا۔ "نہیں' خسرو صاحب! وہ ثمینہ ہے۔ ثمینہ درانی۔ ہمارے افضل احمد درانی صاحب کی صاحبزادی ہے۔ آج کل روزنامہ اتحاد سے منسلک ہے۔ اسی اخبار کے لئے آپ کی تصویریں اتار رہی ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ یہ ہماری حمایت میں رپورٹنگ کرے گی۔ آپ ڈائس کی طرف توجہ دیں۔ تقریر جاری رکھیں۔"

اس نے ڈائس کی طرف پلٹ کر کہا۔ "ہاں تو بھائیو! بزرگو! میرے دوستو! آج ہم یہ عہد کریں کہ آئندہ دسمبر کی پہلی تاریخ سے لے کر اکتیس تاریخ تک گوشت نہیں کھائیں گے۔ نہ گائے کا نہ بکرے کا نہ مرغی کا۔ کسی کا بھی حلال گوشت نہیں کھائیں گے اور حرام تو ہم کھاتے ہی نہیں ہیں۔"

حاضرین اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر کہنے لگے۔ "ہم ایک ماہ تک کسی قسم کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ بازار سے نہیں خریدیں گے۔"

اے' جی خسرو نے کہا۔ "آپ یہ بھی عہد کریں کہ اس ایک ماہ میں ہم اپنے گھر کے اندر ایک مرغی کو بھی ذبح نہیں کریں گے۔

حاضرین اس عہد کو دہرانے لگے۔ ادھر ثمینہ نے قریب آکر ذرا آہستگی سے کہا۔ "خسرو صاحب! آپ کی عنایت ہوگی اس بار آپ بایاں ہاتھ اٹھا کر تقریر کریں۔ میں آپ کا ایک پوز بنانا چاہتی ہوں۔"

وہ انکار کرنا چاہتا تھا۔ ڈائس پر چیخ چیخ کر کہنا چاہتا تھا کہ میں ان لیڈروں میں سے نہیں ہوں جو اپنی پبلسٹی کے لئے تصویریں مختلف پوز میں اتارتے ہیں اور اخبار میں شائع کرتے ہیں۔

لیکن وہ انکار نہ کرسکا۔ ذرا سر گھما کر ثمینہ کی طرف دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس دوشیزہ کے گلابی گلابی لبوں کے درمیان ایک پنسل پھنسی ہوئی تھی۔ اس نے ایک پنسل کو اپنے ہونٹوں کے درمیان دانتوں سے دبا رکھا تھا۔ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اکثر رپورٹنگ کرنے والی لڑکیاں یا لڑکے جب تصویریں اتارتے ہیں تو لکھنے کی پنسل یا بال پین کو منہ میں اسی طرح دبا لیتے ہیں۔

لیکن ان ملائم لبوں کی پنکھڑیوں کے درمیان جیسے ایک کانٹا اٹک گیا تھا۔ وہ کانٹا خسرو کی یاد سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ڈائس پر کھڑے کھڑے اپنی بیوی سلیقہ بیگم کے پاس پہنچ گیا جو آپ مرحومہ بن چکی تھی۔ وہ حاضر دماغ تھا' فوراً ہی اس جلسہ گاہ میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا' پھر کہنے لگا۔ "میں یقین سے کہتا ہوں' اگر ہم ایک ماہ تک کسی دکان سے گوشت نہیں خریدیں گے۔ کوئی جانور خرید کر گھر نہیں لے جائیں گے اور اسے گھر کے اندر ذبح نہیں کریں گے' اپنی ہانڈی میں گوشت نہیں پکائیں گے تو گوشت کا بھاؤ بالکل ہی گر جائے گا۔ ایک ماہ بعد ہم انہی دکانداروں سے منہ مانگی قیمت پر گوشت حاصل کرسکیں گے۔"

تمام حاضرین خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے۔ اے' جی خسرو نے کہا۔ "یہ ہمارا پہلا مرحلہ ہوگا۔ اگر ہماری تحریک کامیاب ہو جائے گی اور انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوگی تو ہم آئندہ مہنگائی کے خلاف دوسری تحریک چلائیں گے لیکن اس پہلی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے لازمی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے طور پر کوشش کرے۔ آپ اپنے پڑوسیوں کو' اپنے بھائیوں کو' اپنے رشتے داروں کو فرداً فرداً سمجھائیں کہ جو تاریخ مقرر کردی گئی ہے' ان تاریخوں میں وہ گوشت کا استعمال بالکل ہی ترک کردیں۔

میرے بزرگو! میرے بھائیو! میرے دوستو! آپ میرے اس منصوبے سے بخوبی سمجھ

سکتے ہیں کہ میں اقتدار کا بھوکا نہیں ہوں آپ مجھے ووٹ دیں گے یا نہیں دیں گے' یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ مجھے اقتدار حاصل ہو گا یا نہیں ہو گا یہ اس وقت کی بات ہو گی لیکن اس وقت میں آپ لوگوں کے ساتھ مل کر مہنگائی ختم کرنا چاہتا ہوں۔ مہنگائی جو آپ کی' آپ کے بچوں کی اور آپ کی آئندہ نسلوں کی دشمن ہے۔ اگر میں نے آپ کے ساتھ مل کر اسے آدھا مار ڈالا تو آپ یقین رکھیں اقتدار حاصل ہونے کے بعد جب میرے ہاتھ میں قانون ہو گا' قوت ہو گی تو میں اس مہنگائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔

میں پھر آپ سے کہتا ہوں کہ میں روٹی' کپڑا اور مکان کا وعدہ نہیں کروں گا۔ میں ان لیڈروں میں سے نہیں ہوں جو مداری بن کر آتے ہیں' وعدوں کی ڈگڈگی بجاتے ہیں۔ تماشہ دکھاتے ہیں اور ووٹ حاصل کر کے چلے جاتے ہیں۔ پھر عوام کا سامنا بھی نہیں کرتے۔ اقتدار کی اونچی کرسی پر بیٹھ کر تمام وعدے بھول جاتے ہیں۔

میں اگر روٹی اور کپڑے کا وعدہ کروں گا تو آپ کے ساتھ مل کر روٹی اور کپڑے کی قیمت پہلے گراؤں گا۔ اس حد تک کہ ایک غریب سے غریب آدمی بھی اچھے سے اچھا کپڑا پہن سکے اور اچھے سے اچھا کھانا کھا سکے۔"

اس بات پر تمام حاضرین تالیاں بجانے لگے۔ اس نے کہا۔ "اگر میں آپ سے مکان کا وعدہ کروں گا تو قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری حکومت آپ کو بیٹھے بٹھائے مکان بنا کر نہیں دے گی بلکہ میں آپ کے ساتھ مل کر آپ کے مکانوں کی دیواریں اٹھاؤں گا۔"

اس بات پر حاضرین اور جوش و خروش سے تالیاں بجانے لگے۔ اے' جی خسرو زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔ خسرو کے بعد پارٹی کے لیڈر عبدالجبار صمدانی ڈائس پر آئے اور تقریر کرنے لگے۔ اسی دوران ثمینہ اسٹیج کے پیچھے سے گھوم کر خسرو کی کرسی کے پاس پہنچ گئی۔ ایک دم سے قریب جھک کر جب اس نے کہا۔ "سر!" تو خسرو ایک دم سے چونک پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو خلافِ توقع ثمینہ کو اتنے قریب پا کر کچھ بدحواس سا ہو گیا۔ بدحواسی کی وجہ وہی پنسل تھی جو اس کے ہونٹوں کے درمیان تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں نوٹ بک تھی۔ شاید آٹو گراف بک تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "اگر آپ اس پر کچھ لکھ دیں تو بڑی نوازش ہو گی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ہونٹوں کے درمیان سے پنسل نکال پھر اس کی طرف

بڑھا دی۔ اسی وقت چونک کر پنسل کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اوہ سوری' یہ میری بری عادت ہے۔ پنسل منہ میں دبائے رکھتی ہوں۔ اس میں ذرا سا تھوک لگ گیا ہے۔ ویسے تھوک کہنے سے گندگی کا احساس ہوتا ہے۔ لعابِ دہن کہنا چاہئے بہرحال جو بھی ہے یہ غلیظ عادت ہے۔ اکثر میں شرمندہ ہو جاتی ہوں۔ ٹھہریئے' میں اسے پونچھ دیتی ہوں۔"

اس نے پنسل کو اپنے دوپٹے کے آنچل سے پونچھنا شروع کیا۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے' اس کی باتوں سے اور اس کی حرکتوں سے شرمندگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ خسرو نے اسے ندامت سے بچانے کے لئے پنسل کو اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ دوسرے ہاتھ میں نوٹ بک لی۔ پھر اس پر لکھنے کے لئے جھکا تو پہلے ہی صفحے پر ثمینہ نے لکھا تھا۔

"میں آپ کا انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔ اس کے لئے پارٹی کا دفتر مناسب نہیں رہے گا۔ آپ اپنے گھر میں وقت دیں یا میرے گھر میں آنے کی زحمت فرمائیں۔ میرا پتہ ون اے ناظم آباد نزد گول مارکیٹ' آپ کا پتہ کیا ہے؟"

خسرو نے سر اٹھا کر ثمینہ کو دیکھا۔ ثمینہ نے نظریں جھکا لیں۔ پھر خسرو نے سر جھکا کر دوسرے صفحہ پر لکھنا شروع کیا۔ "انٹرویو کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ جس کا انٹرویو لیا جا رہا ہے اس کے متعلق پوری معلومات حاصل کی جائیں لہٰذا مجھے جاننے کے لئے میرے گھر کو دیکھنا بھی لازمی ہے۔ کل شام چار بجے اس پتے پر آ جاؤ۔ ایک سو سترہ بٹے چھ۔ پان والی گلی بنا بھورو بالمقابل بابا حلوائی کی دکان۔"

اتنا لکھ کر اس نے نوٹ بک کو بند کیا۔ پھر اسے ثمینہ کی طرف بڑھایا۔ ثمینہ نے اپنی چیزوں کو سنبھالتے ہوئے کہا.......... "تھینک یو' سر! میری بڑی تمنا ہے کہ آپ کا انٹرویو میں اپنے روزنامہ اتحاد میں شائع کروں۔ مجھے حیرانی ہے کہ دوسرے اخبارات نے اب تک آپ کا کوئی انٹرویو شائع کیوں نہیں کیا؟"

خسرو نے مسکرا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے' تم اسی وقت انٹرویو شروع کر چکی ہو۔"

وہ جھینپ کر بولی۔ "نن' نہیں سر! بس یونہی دماغ میں بات آ گئی تھی سو کہہ دی سوری' میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ کل ٹھیک چار بجے آ جاؤں گی۔"

وہ چلی گئی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر وہ اسٹیج کے پیچھے قنات کے دوسری

طرف جاکر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ تب وہ سیدھا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پارٹی لیڈر عبدالجبار صمدانی تقریر کر رہا تھا۔ لوگ کبھی کبھی تالیاں بجا رہے تھے اور نعرے لگا رہے تھے۔ خسرو نے اس کی تقریر کو توجہ سے سننے کی کوشش کی لیکن بار بار ناکامی ہوئی۔ بار بار اس کا ذہن ثمینہ کی طرف چلا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے اپنی تقریر کے دوران حاضرین سے سوال کیا تھا۔ اگر اس جلسہ گاہ میں کوئی حسین دوشیزہ اپنی جلوہ نمائی کے تمام سازوسامان سے آراستہ ہو کر آئے تو کیا ہم اس کے دیوانے ہو جائیں گے؟

اور وہ حسین دوشیزہ جلوہ دکھا کر چھپ جائے تو کیا ہم اسے بار بار دیکھنے کی ضد کریں گے۔ یہی اصول کاروبار میں بھی کارفرما ہے۔

"دکھانا چھپانا چھپا کر دکھانا۔
بھاؤ چڑھانے کا ہے اک بہانہ۔"

ثمینہ کہاں چھپ گئی تھی؟ خسرو کی نظریں اسٹیج کے سامنے دور دور تک بھٹکنے لگیں۔ اسے ڈھونڈنے لگیں۔ وہ جلوہ دکھا کر چھپ گئی تھی۔ اس نے پہلے ہی مرحلے میں اپنا بھاؤ اس حد تک بڑھا دیا تھا کہ خسرو کی نظریں ایک جگہ ٹھہرنا بھول گئی تھیں۔ اسے شعوری طور پر یہ احساس نہیں تھا کہ وہ خریدار بن کر مصر کے بازار میں پہنچ چکا ہے۔

جلسہ بہت ہی کامیاب رہا تھا۔ واپسی میں پارٹی کے اہم افراد ایک بڑی سی ویگن میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ راستے میں پارٹی لیڈر عبدالجبار صمدانی نے کہا۔ "ہمارا کوئی خاص لائن آف ایکشن نہیں ہے۔ تقریر کرنے کا موقع آتا ہے تو مسٹرا ے' جی خسرو اپنے طور پر پتہ نہیں کیا کچھ بول جاتے ہیں۔ انہیں اس بات کا خیال نہیں رہتا کہ جو بول رہے ہیں وہ بات قابل عمل ہے بھی یا نہیں۔"

پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی خسرو صاحب سے کہا تھا کہ یہ مہنگائی ختم کی تحریک چلانا مناسب نہیں ہے خدانخواستہ ہمیں ناکامی ہوئی تو ہماری پارٹی بری طرح بدنام ہوگی اور ہم آئندہ الیکشن میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

خسرو نے کہا۔ "اگر ہم اپنے منصوبے پر پوری طرح عمل کریں گے' دن رات لگن سے کام کریں گے تو کامیابی یقینی ہے۔"

صمدانی نے کہا۔ "خسرو صاحب! یہی تو مشکل ہے کہ آپ جوان ہیں۔ جوش اور

جذبے سے بولتے ہیں۔"

"صمدانی صاحب! اگر آپ مجھے جوان کہہ کر درپردہ نادان کہنا چاہتے ہیں تو میں بتا دوں کہ میری عمر پینتیس برس ہے۔ بے شک میرا شمار جوانوں میں ہوتا ہے لیکن عمر کے لحاظ سے میں سنجیدہ بھی ہوں۔"

"آپ نے سنجیدگی سے یہ نہیں سوچا کہ مہنگائی ختم کی مہم چلانے کے لئے ہمیں کتنے کارکنوں کی ضرورت پڑے گی۔ ہمیں گھر گھر جا کر لوگوں کو سمجھانا ہوگا کہ وہ ایک ماہ تک گوشت نہ پکائیں۔ صرف گھروں میں نہیں بلکہ شہر کے ہر چھوٹے بڑے ہوٹلوں میں جا کر انہیں سمجھانا ہوگا۔ انہیں سمجھانے کے لئے پوسٹر شائع کرنے ہوں گے۔ اخبارات کے اشتہارات کے ذریعے عوام سے اپیل کرنی ہوگی۔ اس میں بے تحاشہ رقم بھی خرچ ہوگی۔ اور تو اور ہمیں آرام سے بیٹھنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ دن رات ہم پریشانیوں میں مبتلا رہیں گے۔"

خسرو نے پوچھا۔ "کیا آپ ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر لیڈر بننا چاہتے ہیں۔ جناب لیڈر بننا اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ کو عوام تک پہنچنے کے لئے ایک ایک دروازے پر جانا ہوگا۔ تبھی آپ کامیاب ہو سکیں گے۔"

"تم مجھے کیا سکھا رہے ہو۔ میں تم سے عمر اور تجربے میں بڑا ہوں۔ میں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔ تم سے زیادہ سیاست میں رہا ہوں۔"

اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے سیٹھ غفار بھائی نے کہا۔ "ارے بابا! تم لوگ آپس میں کیوں لڑائی کرتے ہو' میری ساری رقم ڈوب جائے گی۔ دیکھو' تم نے آپس میں فیصلہ کیا تھا کہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے تحریک چلائیں گے۔ وہ تحریک جیسی بھی ہو' سب مل کر کام کریں گے۔ اب خسرو صاحب نے ایک تحریک چلانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو ہم سب کو ساتھ دینا چاہئے۔ مسٹر صمدانی! جھگڑا کرنے سے ہم سب کا نقصان ہوگا۔"

صمدانی نے کہا۔ "یہ جھگڑے کی نہیں' سوچنے سمجھنے کی بات ہے۔ گوشت مسلمانوں کی گھٹی میں شامل ہے اور آپ لوگ ایک ماہ کے لئے ان سے گوشت چھڑانا چاہتے ہیں۔ مجھے تو کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے۔ تاہم میں پوری لگن سے آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا۔ ہم سب مل کر اپنے تمام ذرائع استعمال کریں گے اس کا اعلان خسرو صاحب نے اپنی

طرف جاکر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ تب وہ سیدھا ہوکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پارٹی لیڈر عبدالجبار صمدانی تقریر کررہا تھا۔ لوگ کبھی کبھی تالیاں بجا رہے تھے اور نعرے لگا رہے تھے۔ خسرو نے اس کی تقریر کو توجہ سے سننے کی کوشش کی لیکن بار بار ناکامی ہوئی۔ بار بار اس کا ذہن ثمینہ کی طرف چلا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے اپنی تقریر کے دوران حاضرین سے سوال کیا تھا۔ اگر اس جلسہ گاہ میں کوئی حسین دوشیزہ اپنی جلوہ نمائی کے تمام سازوسامان سے آراستہ ہوکر آئے تو کیا ہم اس کے دیوانے ہوجائیں گے؟

اور وہ حسین دوشیزہ جلوہ دکھا کر چھپ جائے تو کیا ہم اسے بار بار دیکھنے کی ضد کریں گے۔ یہی اصول کاروبار میں بھی کارفرما ہے۔

"دکھانا چھپانا چھپا کر دکھانا۔
بھاؤ چڑھانے کا ہے اک بہانہ۔"

ثمینہ کہاں چھپ گئی تھی؟ خسرو کی نظریں اسٹیج کے سامنے دور دور تک بھٹکنے لگیں۔ اسے ڈھونڈنے لگیں۔ وہ جلوہ دکھا کر چھپ گئی تھی۔ اس نے پہلے ہی مرحلے میں اپنا بھاؤ اس حد تک بڑھا دیا تھا کہ خسرو کی نظریں ایک جگہ ٹھہرنا بھول گئی تھیں۔ اسے شعوری طور پر یہ احساس نہیں تھا کہ وہ خریدار بن کر مصر کے بازار میں پہنچ چکا ہے۔

جلسہ بہت ہی کامیاب رہا تھا۔ واپسی میں پارٹی کے اہم افراد ایک بڑی سی ویگن میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ راستے میں پارٹی لیڈر عبدالجبار صمدانی نے کہا۔ "ہمارا کوئی خاص لائن آف ایکشن نہیں ہے۔ تقریر کرنے کا موقع آتا ہے تو مسٹرائے' جی خسرو اپنے طور پر پتہ نہیں کیا کچھ بول جاتے ہیں۔ انہیں اس بات کا خیال نہیں رہتا کہ جو بول رہے ہیں وہ بات قابل عمل ہے بھی یا نہیں۔"

پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی خسرو صاحب سے کہا تھا کہ یہ مہنگائی ٹھاہ کی تحریک چلانا مناسب نہیں ہے خدانخواستہ ہمیں ناکامی ہوئی تو ہماری پارٹی بری طرح بدنام ہوگی اور ہم آئندہ الیکشن میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔"

خسرو نے کہا۔ "اگر ہم اپنے منصوبے پر پوری طرح عمل کریں گے' دن رات لگن سے کام کریں گے تو کامیابی یقینی ہے۔"

صمدانی نے کہا۔ "خسرو صاحب! یہی تو مشکل ہے کہ آپ جوان ہیں۔ جوش اور

جذبے سے بولتے ہیں۔"

"صمدانی صاحب! اگر آپ مجھے جوان کہہ کر درپردہ نادان کہنا چاہتے ہیں تو میں بتا دوں کہ میری عمر پینتیس برس ہے۔ بے شک میرا شمار جوانوں میں ہوتا ہے لیکن عمر کے لحاظ سے میں سنجیدہ بھی ہوں۔"

"آپ نے سنجیدگی سے یہ نہیں سوچا کہ مہنگائی ٹھاہ کی مہم چلانے کے لئے ہمیں کتنے کارکنوں کی ضرورت پڑے گی۔ ہمیں گھر گھر جاکر لوگوں کو سمجھانا ہوگا کہ وہ ایک ماہ تک گوشت نہ پکائیں۔ صرف گھروں میں نہیں بلکہ شہر کے ہر چھوٹے بڑے ہوٹلوں میں جاکر انہیں سمجھانا ہوگا۔ انہیں سمجھانے کے لئے پوسٹر شائع کرنے ہوں گے۔ اخبارات کے اشتہارات کے ذریعے عوام سے اپیل کرنی ہوگی۔ اس میں بے تحاشہ رقم بھی خرچ ہوگی۔ اور تو اور ہمیں آرام سے بیٹھنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ دن رات ہم پریشانیوں میں مبتلا رہیں گے۔"

خسرو نے پوچھا۔ "کیا آپ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر لیڈر بننا چاہتے ہیں۔ جناب لیڈر بننا اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ کو عوام تک پہنچنے کے لئے ایک ایک دروازے پر جانا ہوگا۔ تبھی آپ کامیاب ہوسکیں گے۔"

"تم مجھے کیا سکھا رہے ہو۔ میں تم سے عمر اور تجربے میں بڑا ہوں۔ میں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔ تم سے زیادہ سیاست میں رہا ہوں۔"

اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے سیٹھ غفار بھائی نے کہا۔ "ارے بابا! تم لوگ آپس میں کیوں لڑائی کرتے ہو' میری ساری رقم ڈوب جائے گی۔ دیکھو' تم نے آپس میں فیصلہ کیا تھا کہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے تحریک چلائیں گے۔ وہ تحریک جیسی بھی ہو' سب مل کر کام کریں گے۔ اب خسرو صاحب نے ایک تحریک چلانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو ہم سب کو ساتھ دینا چاہئے۔ مسٹر صمدانی! جھگڑا کرنے سے ہم سب کا نقصان ہوگا۔"

صمدانی نے کہا۔ "یہ جھگڑے کی نہیں' سوچنے سمجھنے کی بات ہے۔ گوشت مسلمانوں کی گھٹی میں شامل ہے اور آپ لوگ ایک ماہ کے لئے ان سے گوشت چھڑانا چاہتے ہیں۔ مجھے تو کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے۔ تاہم میں پوری لگن سے آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا۔ ہم سب مل کر اپنے تمام ذرائع استعمال کریں گے اس کا اعلان خسرو صاحب نے اپنی

کئی تقریروں میں کیا ہے۔ اب اعلان ہو چکا ہے تو لاج رکھنی ہی ہوگی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ گاڑی ایک پختہ سڑک پر دوڑتی رہی۔ پھر سیٹھ غفار بھائی کے بڑے بھائی ستار بھائی نے کہا۔ "اجی' کھسرو بھائی! میں تم کو کتنی باری بولا.........."

خسرو نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "ستار بھائی! بڑی مشکل ہے آپ کو کئی بار سمجھایا کہ میرا نام اجی کھسرو نہیں' اے' جی خسرو ہے۔"

ستار بھائی نے کہا۔ "بابا! کوئی بھی نام ہونے دو۔ نام سے نہیں کام سے مطلب رکھو۔ تم کو کئی باری بولا اُدھر بڑا بورڈ میں رہنے سے لیڈری نہیں چمکنے کو ہے۔ اس کو چمکانے کے لئے سوسائٹی میں عزت بنانے کو ہے۔ عزت بنانے کے لئے بڑے بنگلے میں' بڑی کوٹھی میں رہنے کو ہے۔ کار میں بیٹھ کر گھومنے کو ہے۔ تم بس میں آؤ گے' جاؤ گے تو لوگ تم کو دن راتی دیکھتے رہیں گے۔ دن راتی دیکھنے سے وہ بات نہیں ہوتی۔ بھئی دیکھو' ہم تمہاری زبان میں ٹھیک سے سمجھا نہیں سکتا۔"

سیٹھ غفار بھائی نے کہا۔ "میں سمجھاتا ہوں۔ دیکھو' ابھی تم نے تقریر میں کہا تھا کہ جلوہ دکھانا اور پھر چھپانا اور پھر بھاؤ بڑھانا تو اسی طرح اپنے کو سمجھو۔ تم جلسے میں آکر اپنا جلوہ دکھاتے ہو' بڑی مزے کی تقریر جھاڑتے ہو۔ اس کے بعد اگر تم چھپ کر رہو۔ سب سے نہ ملو۔ کبھی کبھی کار میں گزرتے ہوئے لوگوں کو نظر آجاؤ تو اس میں شان ہوگی۔ جو عزت ہوگی' لوگ تمہیں جو دلچسپی سے دیکھیں گے اور تمہارے بارے میں جو سوچیں گے' وہ بات بڑا بورڈ میں رہنے اور بس میں سفر کرنے سے نہیں ہوگی۔ تم بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

خسرو نے کہا۔ "سیٹھ صاحب! میرا ایک نظریہ ہے۔ سیدھا اور سچا نظریہ۔ میں اپنے آپ کو لیڈر نہیں کہتا۔ لوگ مجھے لیڈر کہہ لیں' یہ دوسری بات ہے۔ میں اپنے عوام کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ کرنے کے لئے ان کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے دروازے پر جانا چاہتا ہوں۔ جب تک میرے ملک کا ایک آدمی بھی چٹائی پر سو رہا ہے' میں بھی چٹائی پر سوتا رہوں گا۔ جب تک میرے لوگ کچے مکان اور جھگیوں میں رہیں گے اس وقت تک میں بھی بڑا بورڈ کے ایک چھوٹے سے مکان میں زندگی گزارتا رہوں گا۔"

صمدانی نے کہا۔ "مسٹر خسرو! جب آپ ہماری پارٹی میں شامل ہوئے تھے اسی وقت میں نے سیٹھ ستار بھائی اور سیٹھ غفار بھائی سے کہہ دیا تھا کہ تم ایک بہترین سماجی کارکن بن سکتے ہو مگر لیڈر کبھی نہیں بن سکتے۔"

خسرو نے افسوس ناک انداز میں ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ملک کا المیہ یہی ہے۔ ہمارے یہاں بہترین دماغ ہیں۔ بین الاقوامی حالات کو سمجھنے والے معاملہ فہم لوگ ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو سیاست کی آگ میں تپ کر کندن بن چکے ہیں لیکن وہ غریب ہیں یا اتنے امیر نہیں ہیں کہ انتخابی مہمات میں حصہ لے سکیں۔ انتخابی مقابلے کو اتنا مہنگا کر دیا گیا ہے کہ عام تعلیم یافتہ سچی اور سیاسی شعور رکھنے والے اس میں حصہ لینے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے وقت وہ محض سماجی کارکن بن کر رہ جاتے ہیں یا دولت مند لیڈروں کے آلہ کار بن جاتے ہیں لیکن لیڈر نہیں بن سکتے۔"

سب نے ناگواری سے منہ بنا لیا لیکن جواباً کسی نے کچھ نہیں کہا۔ کہنے کو وہ بہت کچھ کہہ سکتے تھے۔ کھری کھری سنا سکتے تھے لیکن جھگڑا بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ ان دنوں اے' جی خسرو کا نام اچھل رہا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس کی لیڈری چمکنے والی ہے لہٰذا وہ اس کے چمکنے کا انتظار کر رہے تھے۔

گاڑی میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بڑی مصلحت اندیش خاموشی تھی۔ وہ سب کے سب یوں خاموش اور منتظر رہا کرتے تھے جیسے ان کے درمیان خسرو نہ ہو' ایک بطخ ہو' اور وہ بطخ جلد ہی سونے کا انڈا دینے والی ہو۔

دوسرے دن شہر کے تمام اخبارات نے اس جلسے کی روداد شائع کی۔ کتنے ہی اخبارات نے شہ سرخی کے بعد اے' جی خسرو کا نام جلی حرفوں میں شائع کیا اور اس کے ساتھ ہی لکھا "مہنگائی شماد۔"

مہنگائی کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کا خوب ذکر کیا گیا تھا اور توقع کی گئی تھی کہ اس تحریک کی مخالفت میں اور حمایت میں ابھی بحث مباحثے جاری رہیں گے۔ ملک کے دانشور اس تحریک کے سلسلے میں مضامین لکھیں گے۔ یہ بھی توقع کی گئی تھی کہ حکومتِ وقت کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر ہوگا۔

روزنامہ اتحاد کی رپورٹر اور فوٹوگرافر شینہ درانی نے تو کمال کر دیا تھا۔ اے' جی

خسرو کی ایک بڑی سی تصویر اس اخبار کے پہلے صفحے پر شائع ہوئی تھی۔ تصویر میں خسرو اپنا بایاں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا۔ جب خسرو نے اس تصویر کو دیکھا تو چونک گیا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ ایک بار تصویر اتارنے سے پہلے ثمینہ نے اس سے بایاں ہاتھ اٹھانے کی فرمائش کیوں کی تھی؟

یوں کی تھی کہ خسرو کی قمیض بائیں بغل میں پھٹی ہوئی تھی۔ جب وہ جوشیلے انداز میں ہاتھ اٹھا کر' گھونسہ دکھا کر تقریر کر رہا تھا تب ہی ثمینہ نے وہ تصویر اتاری تھی۔

اس تصویر میں قمیض کا پھٹا ہوا بغلی حصہ صاف طور پر نظر آرہا تھا۔ تصویر کے ساتھ کیپشن لگایا گیا تھا۔ "غریب عوام کا غریب لیڈر۔ جو پھٹا ہوا لباس پہنتا ہے۔ زمین پر بیٹھ کر کھاتا ہے اور چٹائی بچھا کر سوتا ہے۔"

ایسی باتیں' ایسی تصویریں اور ایسا فقیرانہ انداز عوام کے دل جیت لیتا ہے۔ اس تصویر کا بھی چرچا ہونے لگا۔ اپوزیشن پارٹی کے لوگ اس دھماکہ خیز تصویر اور جلسے کی روداد سے پریشان ہوگئے۔ سب سے زیادہ پریشانی کا سبب وہ تحریک تھی جو چلائی جانے والی تھی۔ اس تحریک کی کامیابی اپوزیشن پارٹی کی ناکامی ہوتی اس لئے وہ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ سوچنے لگے۔ آپس میں بحث کرنے لگے کہ کس طرح مہنگائی ختم کی تحریک کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔

ایک نے کہا "اے جی خسرو نے بہت ہی سوچ سمجھ کر تحریک چلانے کے لئے دسمبر کی پہلی تاریخ مقرر کی ہے۔ نومبر کی انتیس تاریخ کو بقرہ عید ہے۔ لوگ اس قدر کھائیں گے کہ ایک ہفتہ تک گوشت کی ہوس نہیں رہے گی۔ تحریک کی ابتدا میں دکانیں واقعی بند رہیں گی یا کھلی رہیں گی تو کوئی گاہک ادھر نہیں جائے گا۔"

دوسرے نے کہا "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ ہم مسلمان بھائی پوری گائے یا پورا اونٹ کھا لینے کے بعد ڈکار لیتے ہیں۔ پھر دوسرے دن گوشت کھانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ اصل میں اس تحریک کی ابتدا گوشت سے نہیں سبزیوں سے شروع ہونی چاہئے تھی۔ پہلے سبزیوں کے خلاف محاذ بنایا جاتا۔ ان کی قیمت گرائی جاتی۔"

اپوزیشن پارٹی کے لیڈر نے کہا "اے' جی خسرو نے اپنی ذہانت کے مطابق پہلے گوشت کی مہنگائی کے خلاف محاذ بنایا ہے۔ اگر سبزیوں کے خلاف محاذ بنایا جاتا تو تحریک

شاید کامیاب نہ ہوتی کیونکہ سبزیاں امیر سے لے کر غریب تک سبھی کھاتے ہیں۔ البتہ غریب گوشت نہیں کھا سکتے۔ کبھی کبھی کھانے کا حوصلہ کرلیتے ہیں تو ایک دو وقت کے فاقے کرنے پڑتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں' اس تحریک سے اے' جی خسرو کو غریب عوام کی بھرپور حمایت حاصل ہوگی۔ دولت مند بھی ایک ماہ تک دکانوں سے گوشت نہیں خریدیں گے۔ خریدنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ ڈیپ فریزر میں ایک ماہ کا اسٹاک رکھ لیں گے اگر ہر دولت مند اپنے ہاں دس بکرے خرید کر رکھ لے گا تو اس کے تیس دن آرام سے گزر جائیں گے۔"

ایک نے پوچھا "پھر اس تحریک کا فائدہ کیا ہوگا۔ سبھی تو اپنے گھروں میں چھپ کر گوشت کھائیں گے۔"

"فائدہ یہ ہوگا کہ قصائیوں کی دکانوں پر مندا ہوگا۔ وہ منہ مانگی قیمت پر گوشت فروخت نہیں کرسکیں گے۔ یقیناً انہیں گوشت کی قیمت کم کرنی ہوگی۔"

وہاں ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا "یہ ایک بچگانہ منصوبہ ہے۔ نہ پانچوں انگلیاں برابر ہوسکتی ہیں' نہ تمام شہر ہم خیال ہوسکتا ہے۔ لوگوں کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے ہزار تحریکیں چلائی جائیں تب بھی لوگ اپنے مزاج کے مطابق کھاتے پیتے رہیں گے۔ دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ تحریک ایسی چلائی جائے' جس سے عوام کی ذاتی زندگی پر کوئی اثر نہ پڑے۔"

"اس تحریک کے سلسلے میں متضاد رائے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کامیاب ہوگی' کوئی کہتا ہے ناکامی ہوگی۔ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اسے ناکام کس طرح بنایا جائے؟"

ایک نے کہا۔ "آج ستمبر کی چوبیں تاریخ ہے۔ اس تحریک کو شروع ہونے کے لئے ابھی تقریباً سوا دو مہینے ہیں۔ وہ لوگ اپنی کامیابی کے لئے اس عرصے میں بڑی سرگرمیاں دکھائیں گے ہمارے پاس ابھی ان کے خلاف محاذ آرائی کے لئے کافی وقت ہے۔ ہم بہت کچھ کرسکتے ہیں۔"

بزرگ نے کہا۔ "تم اپنے طور پر جو کرنا چاہو کرو لیکن میرا ایک مشورہ مان لو۔ سنا ہے کہ خسرو کے بیوی بچے نہیں ہیں۔ جو تنہائی کی زندگی گزارتے ہیں وہی ایسے بے تکے منصوبے بناتے ہیں اور بیوی بچوں کی ضروریات کو نہیں سمجھتے۔"

پارٹی لیڈر نے پوچھا۔ "بیوی بچے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ اس کے بوڑھے والدین ہیں۔ چار بہنیں ہیں۔ دو بھائی ہیں۔ ان سب کی کفالت اسی کے ذمہ ہے۔ وہ ایک عرصہ سے اپنے تمام خاندان کی پرورش کرتا آرہا ہے۔"

بزرگ نے کہا۔ "اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ سارا خاندان ایک طرف اور ایک بیوی ایک طرف۔ میں کہتا ہوں کسی طرح اس کی زندگی میں ایک عورت آجائے تو اس کی تحریک کی تہہ میں خود بخود بارودی سرنگیں بچھتی چلی جائے گی۔"

☆------☆------☆

اے' جی خسرو کی عجیب حالت تھی۔ صبح سے تمام اخبارات اس کا نام لے لے کر چیخ رہے تھے۔ دوسری طرف ثمینہ اس کے اندر شور مچا رہی تھی۔ ایک طرف سیاسی کامیابی کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ دوسری طرف ثمینہ اس کی مرحومہ بیوی سلیقہ بیگم کی یاد دلا رہی تھی۔

اب سے تقریباً گیارہ برس پہلے اس نے سلیقہ کو دیکھا تھا۔ اس کے رشتے داروں نے کہا تھا۔ "لڑکی بہت شرمیلی ہے سامنے نہیں آئے گی۔ اگر دیکھ کر ہی شادی کرنا چاہتے ہو تو ہم چپکے سے دکھا دیں گے۔"

پھر اس کا اہتمام کیا گیا۔ سلیقہ ایک کرسی پر گم صم بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔ سوچنے کے انداز میں بڑی دلکشی تھی۔ وہ بے خیالی میں اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو منہ میں دبائے ہوئے تھی۔ جیسے کوئی ننھی سی بچی انگوٹھا چوس رہی ہو۔ اگر بچپن کی کوئی عادت ساتھ چلتے چلتے جوانی تک پہنچ جائے تو وہ بڑی بھولی بھی لگتی ہے اور بھلی بھی۔ اس انگوٹھا چوسنے کی عادت میں بچپن کی معصومیت بھی تھی اور جوانی کا الھڑپن بھی تھا۔ وہ بہت ہی اچھی لگ رہی تھی۔ اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ خسرو نے فوراً ہی شادی کی ہامی بھر لی۔

چھ ماہ بعد شادی ہو گئی۔ سلیقہ دلہن بن کر اس کی زندگی میں آگئی تھی۔ اس کی غریبی میں خوش رہتی تھی۔ کبھی کسی چیز کی کمی ہو تو شکایت نہیں کرتی تھی۔ اس میں ساری خوبیاں تھیں۔ بس وہ ایک بچپن والی عادت ایسی تھی جسے وہ چھوڑ نہیں سکتی تھی۔

انگوٹھا چوسنے کی عادت نہ اچھی ہوتی ہے نہ بری ہوتی ہے۔ عمر کے لحاظ سے معیوب

ہوتی ہے۔ ابتدا میں وہ اس عادت کو چھڑا نہ سکا۔ رفتہ رفتہ ان کے درمیان۔ بے تکلفی بڑھنے لگی۔ اس بے تکلفی نے رفتہ رفتہ پرانی عادت کا رخ بدل دیا۔ کچھ لوگ سگریٹ کی عادت چھوڑنے کے لئے پان کھانا شروع کر دیتے ہیں اور کچھ پان کی عادت چھوڑنے کے لئے سونف چھالیہ منہ میں رکھنے لگتے ہیں۔ خسرو بھی اسے پان لا کر کھلا دیتا تھا کبھی سونف اور چھالیہ سے بہلا دیتا تھا۔

بچپن کی وہ عادت ختم ہونے لگی لیکن سلیقہ نے اسے بالکل ہی ختم نہیں کیا۔ جب کبھی خسرو اس کی کوئی بات نہیں مانتا تھا یا کسی قسم کا جھگڑا ہو جاتا تھا تو وہ ناراض ہو کر اس سے دور چلی جاتی تھی اور دور ہی سے ٹھینگا دکھاتی تھی۔ اسے جلانے کے لئے دانتوں تلے انگوٹھے کو داب کر ہنسنے کھلکھلانے لگتی تھی۔

دانتوں تلے انگلی دبانا ایک محاورہ ہے لیکن دانتوں تلے انگوٹھا دبانے سے وہ جل جاتا تھا۔ وہ انگوٹھا جیسے اس کا رقیب تھا۔ وہ غصہ دکھانے لگتا تھا۔ مرد کا غصہ دال روٹی کی طرح ہوتا ہے۔ عورت روز ہی ہضم کر لیتی ہے۔ سلیقہ پر اس کے غصے کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ تب وہ مجبور ہو کر اس کی ہر بات مان لیتا تھا۔ عورت کو اپنی بات منوانے کی ضد ہوتی ہے۔ جب شوہر مان لیتا ہے تو وہ بھی اپنی عادتوں سے باز آجاتی ہے۔

ایک لیڈر کی خشک زندگی میں بھی اپنی محبوبہ سے روٹھنے اور ایک دوسرے کو منانے کی خوبصورت گھڑیاں آتی ہیں لیکن گھڑی گھڑی نہیں آتیں۔ سلیقہ ان خوبصورت لمحوں کے ساتھ گزر گئی۔ دو برس تک بھرپور ازدواجی مسرتیں دینے کے بعد ایک دن اچانک موت کی آغوش میں چلی گئی۔ تب سے وہ ویران ہو گیا۔ اپنے سگے رشتوں کے ہجوم میں بھی وہ تنہا رہنے لگا۔ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی کوششیں کرنے لگا۔ اس کی والدہ نے' اس کے دوسرے رشتے داروں نے کئی بار سمجھایا کہ وہ دوسری شادی کر لے۔ کتنی ہی لڑکیاں اس کی زندگی میں آئیں۔ اچھی لڑکیاں تھیں' تعلیم یافتہ تھیں۔ سلیقہ کی طرح شریف گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان لڑکیوں میں شریک حیات بننے کی تمام خوبیاں موجود تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی وہ بچپن نہیں تھا جو سلیقہ میں تھا۔ سلیقہ کی موت کے بعد اس کا وہ بچپنا یاد آتا تھا اور اسے بہت تڑپاتا تھا۔

اس کے بعد وہ تنہا رہا۔ اس عرصے میں اس نے کتنی ہی لڑکیوں سے دوستی کی۔ کسی

کو دور سے آزماتا رہا۔ کسی کو قریب سے پرکھتا رہا۔ آخر ثمینہ آئی اور آتے ہی اس نے سلیقہ کی یاد تازہ کردی۔ وہ پنسل منہ میں دبائے اس سے پوچھ رہی تھی۔ "کیا آپ مصروف ہیں؟"

خسرو خیالات سے چونک گیا۔ ہڑبڑا کر سیدھی طرح کرسی پر بیٹھ گیا۔ سامنے کھلے ہوئے دروازے پر ثمینہ کھڑی تھی۔ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ "مجھے یہاں آنے میں ذرا دیر ہوگئی۔ دوسرے کمرے میں آپ کی والدہ نے مجھے روک لیا تھا۔ آپ کی امی بہت اچھی ہیں۔ بہت اچھی باتیں کرتی ہیں۔ آپ کے قیمتی وقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان سے ہی باتیں کرتی رہ جاتی۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اپنے ہینڈ بیگ سے ایک کاپی اور بال پین نکالنے لگی' خسرو نے کہا۔ "مجھ سے کوئی سوال کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ میرے گھر کو' میرے ماحول کو دیکھ لو۔ اس سے مجھے سمجھنے اور میرے متعلق کچھ لکھنے میں کافی مدد ملے گی۔"

"میں نے آپ کا گھر دیکھا ہے۔ مجھے بڑی حیرانی ہے' یہاں کسی کمرے میں ایک چارپائی بھی نہیں ہے۔ کیا واقعی آپ لوگ چٹائی پر سوتے ہیں؟"

"جی ہاں' جب ہم چٹائی پر سوسکتے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ قیمتی پلنگ گھر میں لایا جائے؟"

"لیکن آرام و آسائش بھی تو کوئی چیز ہے۔ آخر یہ کرسیاں بھی آرام سے بیٹھنے کے لئے ہیں۔"

"یہ نہایت سستی کرسیاں ہیں۔ میرے ہاں ملنے والے اکثر پتلون پہن کر آتے ہیں۔ میں انہیں فرش پر بٹھا نہیں سکتا۔ میں اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ایک سادہ زندگی گزارنے پر مجبور کرسکتا ہوں' دوسروں کو مجبور نہیں کرسکتا۔"

"گویا آپ عوام کے سامنے ایک سادہ زندگی کا عملی نمونہ پیش کررہے ہیں؟"

"ایک رہنما کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پہلے خود اس پر عمل کرے۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ پوری قوم چٹائی پر بیٹھنا اور سونا شروع کردے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں تو سادہ زندگی کی مثال پیش کررہا ہوں۔ عوام تک یہ بات پہنچانا چاہتا ہوں کہ جو چیز قیمتی ہے اور ہماری زندگی کے لئے لازمی نہیں ہے اسے خریدنا اور اس کا استعمال جاری رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ مثلاً میرے گھر میں کبھی گوشت نہیں پکتا ہے۔ ہم دال روٹی یا سستی سبزیوں پر گزارا کرتے ہیں۔ ہم مہنگا لباس کبھی نہیں پہنتے۔ میری جوان بہنیں کبھی لپ اسٹک' پوڈر اور سنو کا استعمال نہیں کرتیں۔ جسم کی صفائی اور چہرے کی تازگی کے لئے یوں تو ہم روزانہ غسل کرتے ہیں لیکن ہفتے میں ایک بار غسل کرنے سے پہلے ابٹن ملتے ہیں۔ اس طرح جسم کی مکمل صفائی ہوتی رہتی ہے اور چہرے پر ایسا نکھار آتا ہے کہ ایسا مہنگے کریم اور پوڈر سے نہیں آسکتا۔"

ثمینہ سر جھکائے اس کی باتوں کو کاپی میں نوٹ کرتی جارہی تھی۔ پھر وہ لکھتے لکھتے رک گئی۔ بال پین کے آخری سرے کو دانتوں سے دبالیا۔ ہونٹوں کو بند کرلیا اور سوچنے لگی۔ خسرو کے اندر سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ بال پین ایک ننھی سی ڈالی کی طرح نظر آرہا تھا اور اس ڈالی کے سرے پر پھڑکتے ہوئے لبوں کی کلی کھلنا ہی چاہتی تھی۔ پھر وہ کلی کھل کر بولی۔ "خسرو صاحب! مانا کہ ابٹن سے چہرے پر نکھار آجاتا ہے لیکن بلشنگ بیوٹی نہیں آتی۔ میرا مطلب ہے بلشرز کے کئی شیڈ ملتے ہیں لیکن مشرق میں ایسے سنگھار کا کوئی سامان نہیں ہے۔ ہونٹوں کو سرخ کرنے کے لئے پان کھانا پڑتا ہے اور پان کھانے سے دانت خراب ہوتے ہیں۔"

اس کے لبوں کا گلابی رنگ بالکل تازہ اور روشن تھا۔ جیسے وہ گلابیت ابھی ابھی پیدا ہوئی ہو اور ابھی دیکھنے والے کی نظروں کو پکار رہی ہو۔ وہ بال پین کو ہونٹوں میں دبائے بولتے رہنے کی عادی تھی۔ چند حروف کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ آپس میں مل جاتے ہیں۔ اس کے لب بھی ایسے ہی وقت بال پین کے سنگم پر ملتے تھے۔ اوپر تلے کے لب بال پین کو چھوتے تھے' چھیڑتے تھے۔ اپنی پہچان کراتے تھے پھر دوسرے حروف کے میلے میں بچھڑ جاتے تھے۔

وہ اپنی کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ زندگی میں پہلی بار چپکے چپکے تسلیم کرنے لگا کہ جو رنگ جہاں ہے وہیں اچھا لگتا ہے۔ پھولوں سے ان کے رنگ چھیننے کا حق اسے نہیں ہے وہ ایک بھائی کی حیثیت سے اپنی بہنوں کو رنگ و روپ کے سامان سے محروم کرسکتا ہے لیکن محبوبہ کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتا۔ سوچے گا تو شاعری مرجائے گی۔ آنکھوں سے رنگ اڑ جائیں گے۔ ثمینہ بلیک اینڈ وائٹ نظر آئے گی۔

ثمینہ نے کہا۔ "آپ انٹرویو سے پہلے مجھے اپنے گھریلو حالات میں جھانکنے کی اجازت دیں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں کہوں' آپ اور آپ کے گھر والے ایک نارمل زندگی نہیں گزار رہے ہیں۔ آپ لوگ آئے دن اپنی بہت سی ضرورتوں کو مارتے ہیں۔ آپ کی بہنیں بہت خوبصورت ہیں لیکن ان کے چہروں پر ایسی زردی ہے جیسے وہ ضرورتوں کا زہر پی رہی ہوں۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں ہیں مگر دل کشی نہیں ہے۔ ان کی آنکھوں میں بصارت ہے مگر چمک نہیں ہے۔ ان کی باتوں میں محبت ہے لیکن مٹھاس نہیں ہے۔ ان کی گفتگو کے دوران کوئی نہ کوئی لفظ ڈنک مارنے چلا آتا ہے۔ آپ مرد ہیں پتھر ہیں۔ آپ اتنی شدت سے محسوس نہیں کرسکتے جتنا کہ میں کر سکتی ہوں۔"

خسرو نے پوچھا۔ "تم انٹرویو کے سلسلے میں کوئی سوال کر رہی ہو یا تقریر کر رہی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اب سوال کر رہی ہوں۔ آپ یہ بتائیں آپ کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟"

"میں ایک چھوٹی سی انڈسٹری کا مالک ہوں۔ ہمارے ہاں قالین تیار ہوتا ہے۔"

"آپ کی ماہانہ آمدنی اوسطاً کیا ہوگی؟"

"یہی کوئی ڈھائی ہزار روپے۔"

"معقول آمدنی ہے۔ آپ یہ بتائیں۔ کیا آپ کے سیاسی دماغ میں کبھی رومانس کی بات آئی ہے؟"

خسرو ایک دم سے چونک گیا۔ ثمینہ کو شرمانا چاہئے تھا' لیکن اس بات پر وہ شرمانے لگا۔ اس نے کہا۔ "آپ کی امی نے بتایا ہے کہ سلیقہ بیگم کا انتقال ہوئے تقریباً نو برس گزر چکے ہیں تب سے آپ نے شادی نہیں کی۔ میں پوچھ سکتی ہوں کیوں نہیں کی؟ کیا کوئی لڑکی پسند نہیں آئی یا آپ خشک مزاج رکھنے والوں میں سے ہیں؟"

"اگر میں جواب دوں کہ مجھے ایک لڑکی پسند آئی ہے تو کیا جواب مکمل ہو جائے گا؟"

"سوال اور آگے بڑھے گا۔ آپ یہ بتائیں جسے آپ نے پسند کیا ہے کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی نظروں میں بہت خوبصورت نظر آئے؟ اچھی طرح سجی بنی رہے۔ اچھا لباس پہنے اور آپ کی آنکھوں کے سامنے رنگ و نور کی برسات ہوتی رہے؟"

"میں سیاست کے معاملے میں خشک ہوں لیکن محبت صحرا میں بھی پھول کھلا دیتی ہے اور پھول رنگ و بو کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔"

ثمینہ نے سوال کیا۔ "کیا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ پھول کو گلدان میں سجا کر رکھنا چاہئے؟"

"ہاں' پھول کا مقام یہ بھی ہے۔ ہم اس طرح پھول کی قدر کرسکتے ہیں۔"

"پھر آپ اپنی بہنوں کے لئے اس گھر کو گلدان کیوں نہیں بناتے۔ انہیں اچھے رنگ برنگے لباس کیوں نہیں پہناتے؟ انہیں سج بن کر رہنے کا موقع کیوں نہیں دیتے؟ آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ آپ کی بہنیں بھی دوسروں کی آنکھوں میں خواب جگا سکتی ہیں۔ کسی کے دل میں جگہ بنا کر' کسی کی دلہن بن کر اپنا صحیح مقام حاصل کر سکتی ہیں۔"

"مس ثمینہ! ہر شخص اپنے گھر کی چار دیواری میں اپنے طور پر زندگی گزارتا ہے۔ میں یا میرے خاندان والے کبھی یہ گوارا نہیں کرسکتے کہ ہمارے گھر کی بیٹیاں اور بہنیں کریم' پوڈر اور لپ اسٹک کے ذریعے خوب میک اپ کریں تاکہ انہیں دیکھ کر ان کا رشتہ مانگنے والے ہمارے دروازے پر آئیں۔ ہم اپنے گھر کی عزت کو نمائش کی چیز نہیں بنا سکتے۔"

"خسرو صاحب! میں ایک اخباری رپورٹر ہوں اور آپ ایک ابھرتے ہوئے سیاسی لیڈر ہیں۔ آپ خوب سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ اگر آپ محبوبہ کو نمائش کی چیز بنا کر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسے پورے رنگ و روپ کے ساتھ اپنے دل میں اتارنا چاہتے ہیں تو پھر آپ اپنی بہنوں کے متعلق ایسا کیوں نہیں سوچتے۔ کیا آپ ان رہنماؤں میں سے ہیں جو دوسروں کے لئے کچھ سوچتے ہیں اور اپنے لئے کچھ؟"

ثمینہ کے اس سوال پر خسرو بوکھلا گیا۔ اس نے جلدی سے کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ تم کیسے سوالات کر رہی ہو؟ سیاست میں بھلا رومانس کا کیا دخل ہے؟"

"لوگ آپ کی ذاتی زندگی کے متعلق بھی معلوم کرنے میں دلچسپی رکھیں گے۔ جب انٹرویو کی بات آتی ہے تو زندگی کے ہر پہلو کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے۔ خصوصاً ایک اخباری رپورٹر کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی لیڈر کے خفیہ گوشوں تک اور دکھتی رگوں تک پہنچ سکے۔"

خسرو پریشان ہو گیا۔ اب تک ثمینہ کے جلوے میں گم ہو کر جانے کیا کیا سوچتے ہوئے

اس سے باتیں کرتا رہا۔ یہ بھول گیا کہ ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے انٹرویو دینے کے لئے بیٹھا ہے' لیکن وہاں تو اس پر رومانیت غالب آگئی تھی۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ "کیا تم یہ باتیں اخبار میں شائع کرو گی؟"

اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "میں یہاں کس لئے آئی ہوں؟"

وہ جبراً مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ تمہارے والد سے میرے اچھے تعلقات ہیں اور آج کے اخبار میں تم نے میری حمایت میں بھرپور رپورٹنگ کی ہے۔ میری اپنی ریڈنگ یہ ہے کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔"

ثمینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں پہلے ثمینہ کی نظریں جھک گئیں۔ خسرو نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے اس حد تک پسند کرتی ہو کہ اپنے اخبار کے ذریعے میرے نام کو اچھالنا چاہتی ہو۔ ایک دن میں کہہ سکوں گا کہ میری کامیابی میں تمہاری اپنائیت کا بڑا دخل ہے۔"

اب وہ کچھ نہیں بول رہی تھی۔ بال پین کو دانتوں میں دبائے' سر کو جھکائے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ خسرو نے پوچھا۔ "ہاں تو بتاؤ' اب تک ہمارے درمیان جو باتیں ہوتی رہی ہیں تم اسے اخبار میں شائع کرو گی؟"

ثمینہ نے سر کو جھکائے ہوئے انکار میں سر کو ہلایا۔ پھر ہولے سے بولی۔ "میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

خسرو نے خوش ہو کر کہا۔ "کیوں نہ ایک سوال تم کرو' میں جواب دوں۔ دوسرا سوال میں کروں اور تم جواب دو۔"

ثمینہ نے سوال کیا۔ "ہمارے ملک کا کوئی سیاسی لیڈر غریب نہیں ہے۔ آپ غریب کیوں ہیں؟"

"میں چاہوں تو راتوں رات امیر بن سکتا ہوں۔ کتنی ہی سیاسی پارٹیاں مجھے خریدنا چاہتی ہیں۔ خود میری پارٹی کے دولتمند افراد میرے لئے آرام و آسائش مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ ڈیفنس میں مجھے ایک کوٹھی دینا چاہتے ہیں۔ میرے لئے ایک کار مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ میرے زندگی کے طور طریقوں کو ہی بدل دینا چاہتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔"

"اب جو سوال کروں گی اس کا جواب نوٹ نہیں کروں گی۔ نہ ہی یہ اخبار میں شائع ہوگی۔ آپ یہ بتائیں کہ ان دولتمندوں کی پیش کش کو آپ قبول نہیں کرتے۔ اس کے بغیر آپ لیڈر کیسے بنیں گے؟ کیسے آگے بڑھیں گے؟"

"اس وقت میں جس پارٹی سے منسلک ہوں وہ لوگ خود ہی مجھے آگے بڑھانے پر مجبور ہیں۔ پوری پارٹی میں میری طرح کوئی موثر انداز میں تقریر نہیں کر سکتا۔ وہ میرے محتاج ہیں۔"

"میں مانتی ہوں۔ آپ میں بڑی خوبیاں ہیں لیکن آپ کو عوام کی حالت سنوارنے سے پہلے اپنی حالت پر بھی غور کرنا چاہئے۔ اپنی زندگی بنانے کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے۔ جب تقریر آپ کو کچھ کرنے' کچھ کمانے' کچھ بن جانے کا موقع دے رہی ہے تو آپ اس سے انکار کیوں کرتے ہیں؟ آپ کسی سے ناجائز طور پر کچھ نہیں لیں گے بلکہ اپنی محنت کے صلے میں حاصل کریں گے اور محنت کا صلہ لینا نہ تو جرم ہے اور نہ ہی معیوب سی بات ہے۔"

"سیٹھ ستار بھائی اور سیٹھ غفار بھائی بھی مجھے اسی طرح سمجھاتے ہیں مگر میں اپنے اصولوں کا پکا ہوں۔"

"اپنے اصولوں کا پابند رہنا بڑی اچھی بات ہے لیکن اصول ایسے ہونے چاہئیں کہ اپنی ذات کو کچھ فائدہ پہنچے۔ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے اور اپنی بیوی کو.........."

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر بولی۔ "ارے ہاں' آپ کی تو بیوی ہی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو مجھے اتنا سمجھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کیا ستار بھائی اور کیا غفار بھائی سمجھائیں گے۔ وہ تو ایسے سمجھاتی کہ ساری زندگی آپ اپنے اصولوں کا ماتم کرتے رہ جاتے۔ ذرا یہ تو بتایئے' وہ لڑکی کون ہے جس کی خاطر آپ کی زندگی کے صحرا میں پھول کھلنے لگے ہیں؟"

ایسا پوچھتے ہوئے اس نے بال پین کو دانتوں تلے دبالیا۔ خسرو نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ پھر مسکرا کر کہا۔ "اتنی دیر سے مجھے ایک بھی سوال کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تمہارا سوال محفوظ ہے۔ پہلے یہ بتاؤ' تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ پھر تمہیں اس بات کا تجربہ کیسے ہے کہ بیویاں اپنے شوہروں کو اصولوں کا پابند رہنے نہیں دیتیں؟"

"شادی نہ ہوئی تو کیا ہوا۔ میں دس گھروں میں جاتی ہوں۔ ہزاروں طرح کے تماشے

دیکھتی ہوں۔ خود میرے ابو شادی سے پہلے بہت ہی اصولوں کے پابند تھے۔ اتنے ضدی تھے کہ کسی کی بات کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ جب میری امی ان کی زندگی میں آئیں تو وہ رفتہ رفتہ بدلتے چلے گئے۔"

"تمہاری عمر کیا ہوگی؟ دیکھو' سچ بولنا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "جہاں اپنا نقصان نہ ہو وہاں ہمیشہ سچ بولنا چاہئے۔ ایک محترمہ اپنے صاحبزادے کے لئے میرا رشتہ مانگنے آئی تھیں۔ امی ان سے میری عمر چھپانا چاہتی تھیں کہنا چاہتی تھیں کہ میں کوئی سترہ' اٹھارہ برس کی ہوں لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے محترمہ کے کانوں میں چپکے سے یہ بات پھونک دی کہ میری عمر چھبیس برس ہے۔"

"کیا واقعی تم چھبیس کی ہو؟"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ پچھلے برس کی بات ہے آپ ایک برس اور جوڑ لیں۔"

"کمال ہے تم ستائیس برس کی ہو لیکن سترہ برس کی لگتی ہو۔"

وہ مسکراتی رہی۔ دانتوں تلے بال پین کو دبائے شوخی سے اسے دیکھتی رہی۔ اتنے میں خسرو کی بڑی بہن ناشتے اور چائے کی ٹرے لے کر آئی۔ ان کے سامنے ایک چھوٹی سی تپائی پر ٹرے کو رکھ دیا۔ ثمینہ نے پوچھا۔ "تمہارا نام عذرا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"آؤ بیٹھو' ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔"

"نہیں باجی! آپ دونوں کام کی باتیں کر رہے ہیں۔ یہاں میری موجودگی غیر ضروری ہے۔ جب آپ کا انٹرویو ختم ہوجائے تو ہم آپ سے خوب باتیں کریں گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے چلی گئی۔ خسرو نے مٹھائی کی ڈش اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ابھی تک انٹرویو جاری تھا یا شروع ہونے والا ہے یا اگر ختم ہوچکا ہے تو تم نے کیا پوچھا اور میں نے کیا جواب دیا؟"

وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی۔ "میں چائے سے پہلے نمکین کھاتی ہوں۔ مٹھائی کا شکریہ۔"

وہ کچھ نمکین چیزیں کھانے کے بعد چائے پینے لگی۔ خسرو نے کہا۔ "لڑکیاں اتنی عمر تک گھر میں بیٹھی رہ جائیں تو ماں باپ پریشان ہوجاتے ہیں۔ تمہارے والدین تو خاصے پریشان ہوں گے؟"

"پہلے میں کچھ بننا چاہتی تھی پھر شادی کرنا چاہتی تھی اس لئے شادی سے انکار کرتی تھی۔ اب مجھے عمر رسیدہ سمجھا جاتا ہے اس لئے رشتے نہیں آتے۔"

"اپنی عمر چھپانا کوئی بری بات تو نہیں ہے۔"

"جو میری عمر کا فریب کھا کر مجھے شریک حیات بنائے گا' میں اسے احمق سمجھتی رہوں گی۔ پھر بھلا ایک احمق کے ساتھ خوشگوار زندگی کیسے گزار سکوں گی؟"

اس نے چائے ختم کی۔ خالی پیالی کو ٹرے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ڈھیر سارے سوالات کرلئے۔ اب مجھے اخبار کے لئے کچھ سوال کرنے دیں۔"

"اتنی دیر سے تو یہی ہو رہا ہے کہ سوال اخبار کے لئے شروع ہوتا ہے لیکن میرے جواب پر تم میری ذاتی زندگی میں جھانکنے لگتی ہو۔ ٹھیک ہے۔ اب ہم محتاط رہیں گے۔ تمہارا سوال کیا ہے؟"

ثمینہ نے اپنی کاپی اور بال پین کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "کسی ماہر نفسیات نے کہا ہے' جو لوگ دوسروں سے اپنے آپ کو چھپانا چاہتے ہیں وہ کبھی اپنا مکمل نام ظاہر نہیں کرتے۔ ایسا وہ غیر شعوری طور پر کرتے ہیں۔ چند حروف کے پیچھے اپنے نام کا زیادہ حصہ چھپا لیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کر رہے ہیں۔ یہ اے' جی خسرو کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

"عبدالغفار خسرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں دوسروں سے کچھ نہیں چھپاتا۔ اب دوسرے یہ سمجھتے ہوں تو دوسری بات ہے۔"

ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے آپ نے میرے ایک سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ جواب آپ پر ادھار ہے۔"

خسرو نے جواباً مسکرا کر کہا۔ "شاید میں تھوڑی دیر بعد جواب دے سکوں۔"

"تھوڑی دیر بعد کیوں؟"

"ابھی اپنے اندر حوصلہ پیدا کر رہا ہوں۔"

ثمینہ نے پوچھا۔ "آپ کی بیگم مرحومہ آپ کو آدھے نام سے پکارتی ہوں گی یا آئندہ جو لڑکی شریک حیات بن کر آئے گی وہ بھی آپ کو آدھے نام سے پکارے گی؟"

خسرو نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ آدھا نام کیا ہوتا ہے؟"

وہ شوخی سے مسکرا کر بولی۔ "اے جی! بیٹے جی!"

خسرو نے کھل کر ایک قہقہہ لگایا۔ ثمینہ بال پین کو دانتوں تلے داب کر مسکرا رہی تھی۔ اچانک اس کا قہقہہ رک گیا۔ اچانک اس کے اندر حوصلہ پیدا ہوا۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر ثمینہ کے ہاتھ پر رکھ کر اس بال پین کو تھام لیا۔ ثمینہ نے ہڑبڑا کر بال پین کو چھوڑ دیا۔ اس کا منہ حیرانی سے کھل گیا۔ خسرو نے اس بال پین کو لے کر بڑے پیار سے دیکھا پھر کہا۔ "کوئی لڑکی دوپٹے کا کونا دانتوں سے دبائے یا انگوٹھا چوسے یا بال پین کو منہ میں دبا کر رکھے اور گفتگو کرتی رہے تو یہ میری بہت بڑی کمزوری بن جاتی ہے۔"

ثمینہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ خسرو نے اچانک ہی پوچھا۔ "کیا تم مجھے 'اے جی' کہنا پسند کرو گی؟"

ثمینہ کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ وہ چند ساعتوں کے لئے ساکت رہی۔ پھر ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اپنے سر پر آنچل کو سنبھالتی ہوئی تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔

خسرو نے پریشان ہو کر سوچا۔ شاید وہ ناراض ہو گئی ہے۔ شاید اس نے بے باکی سے یہ پوچھ کر غلطی کی ہے۔ اب وہ انٹرویو کے لئے واپس نہیں آئے گی۔ شاید گھر سے نکل کر چلی گئی ہے لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز دوسرے کمرے سے سنائی دی۔ وہ اس کی بہنوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ پھر ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ اس کی بہنوں کی ہنسی کے ساتھ اس کی ہنسی بھی شامل تھی۔ تب خسرو کی جان میں جان آئی۔

دوسرے دن اس نے روزنامہ اتحاد کے دفتر میں فون کیا دوسری طرف سے کسی نے ریسیور اٹھا کر پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

اس نے کہا۔ "میں اے' جی خسرو بول رہا ہوں اور مس ثمینہ درانی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اسے انتظار کرنے کے لئے کہا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ثمینہ کی مترنم آواز سنائی دی۔

"ہیلو' آپ خسرو صاحب ہیں؟"

"میں وہی ہوں جس سے تم منہ پھیر کر چلی گئی تھیں۔"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ خسرو نے کہا۔ "میری امی تمہارے گھر گئی ہیں۔"

ثمینہ نے انجان بن کر پوچھا۔ "کیوں گئی ہیں؟"

"تمہیں مانگنے کے لئے۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر ثمینہ نے کہا۔ "آپ تو بہت تیزی دکھا رہے ہیں۔ پرسوں آپ نے مجھے دیکھا۔ کل باتیں کیں اور آج اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔"

"میں نے تیزی نہیں دکھائی بلکہ دیر کر دی۔ میں نے نو سال کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ آج تم پورے ستائیس برس کی ہو۔ میں نے بہت دیر کر دی۔ نو برس پہلے جب تم اٹھارہ برس کی تھیں تب ہی تمہارے گھر آ کر مجھے تمہارا ہاتھ مانگ لینا چاہئے تھا اور تم کہہ رہی ہو کہ تیزی دکھا رہا ہوں۔"

"آپ بڑی خوبصورتی سے باتیں بنا رہے ہیں لیکن ان تین دنوں میں ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ہم کس حد تک ہم مزاج ہیں۔"

"چلو' آج شام کہیں بیٹھ کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ بولو' کہاں مل سکتی ہو؟"

ثمینہ نے کچھ سوچ کر کہا۔ "شام کو سات بجے کارساز کے کسی اوپن ایئر ریستوران میں مل سکتی ہوں لیکن وہاں کھانے کا بل میں ادا کروں گی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بل میں ادا کروں گا۔"

"آپ اپنے اصول کے پابند ہیں۔ مہنگی چیزیں خرید کر کھانے کے خلاف ہیں۔ ایسے ریستوران میں گوشت بہت مہنگا ہوتا ہے۔ نہیں خسرو صاحب! بل میں ادا کروں گی۔"

خسرو مشکل میں پڑ گیا۔ اپنی محبوبہ سے پہلی بار کہیں آزادی سے ملاقات ہونے والی تھی۔ بھلا یہ کیسی بات ہوئی کہ کھانا وہ کھاتا اور بل وہ ادا کرتی۔ بڑی سبکی ہوتی۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ "فون پر یہ بحث مناسب نہیں ہے۔ ہم وہاں ریستوران میں طے کر لیں گے۔ ٹھیک سات بجے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پارٹی کے دفتر میں سب لوگ بیٹھے اس کا منہ تک رہے تھے۔ سیٹھ ستار بھائی نے کہا۔ "اے بابا! اپنے مغز میں بات آ گئی ہے۔ تمہاری اماں جی ثمینہ کو مانگنے اس کے گھر گئیں اور تم ثمینہ سے ریستوران میں ملنے جاؤ گے۔ یہ بتاؤ شادی کب بناؤ گے؟!"

خسرو نے ایک بھرپور انگڑائی لی۔ دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے۔ پھر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے' مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا تو جی چاہتا ہے' شادی آج ہو جائے' ابھی ہو جائے۔ دیکھیں بات کب بنتی ہے۔"

پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے کہا۔ "درانی صاحب آپ کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ہم سب سے بھی اچھی واقفیت ہے۔ ہم اگر زور لگائیں تو شادی ایک مہینے میں بلکہ ایک ہفتے میں ہو سکتی ہے۔"

سیٹھ غفار بھائی نے کہا۔ "بات ہم بنائیں گے اور اپنی طرف سے بھی درانی صاحب کو مجبور کریں گے۔ بڑی دھوم دھام سے شادی ہوگی۔"

خسرو نے کہا۔ "بھئی سیٹھ صاحب! یہ دھوم دھام والی بات نہ کریں۔ شادی تو میں بڑی سادگی سے کروں گا۔"

سیٹھ ستار بھائی نے کہا۔ "اجی کھسرو صاحب! تم ہر معاملے میں اپنی ہی بات چلاتے ہو۔"

"میں کتنی بار سمجھا چکا ہوں۔ اجی نہیں اے' خی اور کھسرو نہیں' خسرو۔"

"چلو بابا! وہی نام ہے جو تم بولتے ہو۔ مگر یہ شادی کے معاملے میں ہم لوگ اپنا من مانی کریں گے۔ تم کچھ نہیں بولو گے۔ تم دولہا ہو' چپ چاپ رہو گے۔"

خسرو اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پارٹی لیڈر عبدالجبار صمدانی نے کہا۔ "مسٹر خسرو! تم گھر میں گوشت نہیں پکاتے ہو' لیکن شادی کے دن تو گوشت پکانا ہی ہوگا۔ چاہے کتنا ہی مہنگا ملے۔"

سیٹھ غفار بھائی نے کہا۔ "اے صمدانی بھائی! تم مہنگائی کی بات مت بولو۔ ہمارے خسرو صاحب کو کس بات کی کمی ہے اور وہ بھی ہمارے ہوتے ہوئے۔"

خسرو نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کے طریقۂ کار کو خوب سمجھتا ہوں۔ آپ لوگ جس طرح کاروبار میں بڑی بڑی رقم لگاتے ہیں اسی طرح لیڈروں پر اپنی دولت لٹاتے ہیں۔ جب وہ کامیاب ہو کر حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں تو اپنی رقم بڑے بڑے سرکاری ٹھیکوں اور درآمدی و برآمدی لائسنسوں کی صورت میں سود در سود حاصل کرتے ہیں۔ ان سے کروڑوں روپے کے جائز اور ناجائز کاروبار کے لئے مراعات حاصل

کرتے ہیں۔ میں نے پہلے ہی فیصلہ کیا ہے۔ نہ آپ لوگوں کا احسان لوں گا نہ الیکشن میں کامیاب ہونے کے بعد آپ لوگوں کے دباؤ میں آؤں گا۔"

صمدانی نے ناگواری سے کہا۔ "مسٹر خسرو! آدمی کو بڑا بول نہیں بولنا چاہئے۔ کل کے اخبارات نے تمہیں مغرور بنا دیا ہے۔ یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ آئندہ الیکشن میں تم ہماری پارٹی کے پلیٹ فارم سے کامیاب ہو سکو۔"

"کامیابی اور ناکامی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا دفتری کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی' پھر سیٹھ ستار بھائی نے آہستگی سے کہا۔ "صمدانی بھائی! اس سے ٹھنڈا ہو کر بولا کرو۔ وہ ہماری پارٹی کا بہت مضبوط کھمبا ہے۔ جلسے میں بہت زور سے تقریر بولتا ہے۔ اس کو ہم لوگ ہینڈل کرے گا۔ کیسے کرے گا' یہ تم چپ چاپ دیکھتے جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور اٹھایا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس کے بعد ریسیور کو کان سے لگا کر سننے لگا۔ دوسری طرف سے کسی نے پوچھا۔ "آپ کون ہو؟"

"میں سیٹھ ستار بھائی بول رہا ہوں۔ رپورٹر اور فوٹوگرافر ثمینہ درانی سے بات کرنا مانگتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد ثمینہ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو' آپ کون ہیں۔ مجھ سے کیوں بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہیلو' ثمینہ بائی! میں سیٹھ ستار بھائی ہوں۔ پرسوں جلسے میں اسٹیج کے اوپر میں بیٹھا ہوا تھا۔ تم نے خسرو صاحب کے ساتھ میرا ایک فوٹو بھی بنایا تھا۔ یاد آیا؟"

"میں نے آپ کا نام سنا ہے۔ آپ کو دیکھا بھی ہے' فرمایئے۔"

"کیا فرمانا ہے بیٹی! میں تم کو بیٹی سمجھتا ہوں۔ جب سے خوشخبری سنی ہے میں خوشی کے مارے ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا ہوں۔"

"آپ نے کون سی خوشخبری سنی ہے؟"

"وہی اپنے کھسرو بھائی والی۔ کھسرو بھائی اسی دفتر سے ابھی فون پر تم سے بولتا تھا۔"

"آپ خوش ہونے میں تیزی دکھا رہے ہیں۔ بات ابھی طے نہیں ہوئی ہے۔"

"ہم کو سب معلوم ہے۔ آج ریستوران میں بات پکا ہونے کو ہے۔"

"تعجب ہے۔ ابھی میاں بیوی پوری طرح راضی نہیں ہوئے ہیں اور آپ لوگوں نے اس حد تک معلومات حاصل کرلی ہیں۔"

"بیٹی! سمجھ لو کہ یہ اپنے ہی گھر کا معاملہ ہے۔ میں ابھی تم سے ملنا مانگتا ہوں۔ دس منٹ کے لئے یا پندرہ منٹ کے لئے میرے سے بات کرلو۔ میں تم کو بہت اچھی بات بولنا چاہتا ہوں بہت اچھی بات۔ تم جب تک جیتی رہو گی اپنے ستار بھائی کو یاد کرتی رہو گی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہتی ہوں۔ آجائیے۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم ہوگیا۔

اے' جی خسرو چھ بجے ہی ریستوران میں پہنچ گیا تھا۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے آنے والی کا انتظار کررہا تھا۔ ثمینہ ٹھیک سات بجے نظر آئی۔ اس نے منی بس سے اترتے ہی خسرو کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھی اس کی طرف آئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ مسکراتے ہوئے بولا۔ "میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "لیکن میں نے تو سات بجے کا وقت دیا تھا اور ٹھیک وقت پر یہاں آئی ہوں۔ آپ اسے معجزہ ہی سمجھیں ورنہ بس میں سفر کرنے والے کبھی وقت پر کہیں نہیں پہنچتے۔"

وہ میز کے دوسری طرف بیٹھ گئی۔ خسرو نے دو ٹھنڈی بوتلوں کا آرڈر دیا۔ ثمینہ نے کہا۔ "اپنی ذاتی گاڑی نہ ہو تو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ ابو کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر دفتر جاتی ہوں۔ وہی مجھے دفتر سے گھر لے جاتے ہیں۔ اب ان سے یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس وقت آپ سے ملنے جارہی ہوں۔"

"انہوں نے پوچھا تو ہوگا؟"

"جی ہاں' میں نے انہیں سہیلی کے گھر کا پتہ بتایا وہ مجھے وہاں چھوڑ گئے۔ وہاں سے منی بس میں بیٹھ کر آئی ہوں۔"

اسی وقت ایک فلیش لائٹ چمکی اور بجھ گئی۔ خسرو نے چونک کر ادھر دیکھا۔ ایک شخص نے ان کی تصویر اتاری تھی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ تم نے ہماری اجازت کے بغیر تصویر کیوں اتاری ہے؟"

اس شخص نے مسکرا کر کہا۔ "جناب خسرو صاحب! آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہورہے

ہیں۔ آپ عوام کے رہنما ہیں۔ آپ پر ہم سب کا حق ہے۔ ہم آپ کی تصویریں اتار سکتے ہیں۔ ہم آپ کی تصویروں کو ڈرائنگ روم میں سجا سکتے ہیں۔"

خسرو نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔ "واہ جناب! اخبار والے کیسے نہیں جانتے میرا تعلق کتنے ہی اخباروں سے ہے۔"

ثمینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آگئی تھی۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ "اب تو ہمارا اسکینڈل بنے گا۔ میں انہیں جانتی ہوں۔ یہ مسٹر نواز ہیں۔ فری لانسر ہیں۔ بڑے اہم مواقع کی تصویریں اتارتے ہیں اور اخبار والوں سے منہ مانگی قیمت وصول کرتے ہیں۔"

خسرو نے غصے سے نواز کو دیکھا۔ پھر عقل آئی کہ غصہ دکھانے کا وقت نہیں ہے۔ لڑنا جھگڑنا بدنامی کا باعث ہوگا۔ اس نے بڑی نرمی سے کہا۔ "مسٹر نواز! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں' آپ اس تصویر کو ضائع کردیں۔"

"جناب! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی مخالف پارٹیوں کے لوگ اس تصویر کی قیمت ہزاروں میں دے سکتے ہیں پانچ ہزار' دس ہزار' شاید بیس ہزار بھی۔"

اے' جی خسرو نے سر جھکا کر کچھ سوچا پھر کہا۔ "جب مخالف پارٹیوں کی بات آگئی ہے تو کوئی بات نہیں ہے۔ جاؤ برخوردار! منہ مانگی قیمت پر فروخت کرو۔ ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ دو چار تصویریں اور اتارلو۔"

ثمینہ نے حیرانی سے کہا۔ "آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آؤ' چلو ہم اپنی جگہ بیٹھیں۔"

اس نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ میز تک آیا۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے اس نے اس ہاتھ کی نرمی اور گرمی کو خوب محسوس کیا۔ ثمینہ اپنی پریشانی میں تھی۔ پہلے تو اس نے محسوس نہیں کیا۔ میز کے قریب پہنچ کر خیال آیا کہ اس کا ہاتھ خسرو کے ہاتھ میں ہے۔ اسے بڑا اچھا لگا۔ شرم آرہی تھی اور ہاتھ چھڑانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یوں اس طرح ہاتھ سے ہاتھ دیئے کھڑے رہنا بھی بے حیائی تھی۔ اس کے سوچتے سوچتے پھر فلیش لائٹ بجلی کی طرح چمکی اور بجھ گئی۔

نواز نے دوسری بار اہم موقعے کی تصویر اتاری تھی ثمینہ نے ایک دم سے گھبرا کر اپنا

ہاتھ چھڑا لیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے تو ہماری دوسری تصویر اتار لی ہے' آپ کچھ کریں۔"

"وہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ اسے تصویریں اتارنے دو۔ میں سیاسی آدمی ہوں چالیں چلنا جانتا ہوں۔"

ثمینہ نے پوچھا۔ "آپ کیا کریں گے؟ اسے کیسے روکیں گے؟"

"روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہماری یہ تصویریں کل کے اخبارات میں نہیں آسکیں گی کیونکہ یہ آج تصویریں تیار کرے گا۔ کل میری مخالف پارٹیوں سے سودا کرے گا۔ شاید پرسوں کے اخبار میں یہ شائع ہوسکیں۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں بدنام ہو جاؤں؟"

"بدنامی کیسی؟ تم کل ہی تمام اخبارات میں یہ خبر شائع کرا سکتی ہو کہ ہماری شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی ہے۔ ہم بہت جلد رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والے ہیں۔ یہ خبر شائع ہوتے ہی وہ تصویریں اسکینڈل کے زمرے میں نہیں آئیں گی بلکہ ہماری نسبت طے ہونے کا تصویری خبرنامہ بن جائیں گی۔"

ثمینہ نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ بوتل میں سے چند گھونٹ پیئے پھر کہا۔ "ابھی ہم نے شادی کا حتمی فیصلہ نہیں کیا ہے۔"

خسرو نے کہا۔ "مجھے اس فوٹوگرافر کا احسان ماننا چاہئے۔ اس نے ہمارے لئے راستہ ہموار کردیا ہے۔ ہم دونوں کے لئے اب انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ شادی کے سلسلے میں جو بھی اختلافات ہوں گے انہیں ہر حال میں ختم کرنا ہوگا۔ ہمیں ہم خیال بن کر شادی کے فیصلے تک پہنچنا ہوگا۔"

ثمینہ نے سر جھکا کر کہا۔ "میرے اور آپ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا لیکن میری امی اور ابو دنیاداری کا خیال کرتے ہیں۔ آج ہی دوپہر کو امی نے فون پر مجھ سے بات کی تھی۔ آپ کی والدہ ہمارے ہاں آئی تھیں۔ امی نے انکار تو نہیں کیا لیکن زبان سے یہ کہہ دیا ہے کہ بڑا بورڈ نسبتاً پسماندہ علاقہ ہے۔ وہاں سے بارات آئے گی اور دلہن والے ولیمے کی دعوت میں جائیں گے تو لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے۔ پیٹھ پیچھے مذاق اڑائیں گے۔ ہمارے رشتے دار کوٹھیوں والے اور کاروں والے ہیں۔ آپ سوچ

سکتے ہیں کہ میری امی اور ابو سبکی محسوس کریں گے۔"

"ثمینہ! ہمیں جھوٹی نمائش کے خلاف جہاد کرنا چاہئے وہ کار والے اور کوٹھیوں والے اپنی شان دکھاتے ہیں۔ ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہم جیسے ہیں ویسے ہی........"

اس نے بات کاٹ کر کہا۔ "آپ کی تمام باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ آپ جو کہیں گے میں اسے تسلیم کرتی رہوں گی' لیکن وہاں شادی کا موقع ہوگا کوئی سیاسی جلسہ نہیں ہوگا۔ آپ وہاں تقریر کرکے لوگوں کو قائل نہیں کرسکیں گے۔ شادی کے موقع پر قدم قدم پر نمائش ہوتی ہے۔ چھوٹے سے بڑا جو بھی ہو' قیمتی بھڑکیلے لباس پہنتا ہے۔ عورتیں بڑھ چڑھ کر میک اپ کرتی ہیں۔ نئے نئے ڈیزائن کے زیورات پہن کر آتی ہیں۔ سو اپنی امارت دکھانے کے لئے بینڈ باجے والوں پر نوٹوں کی بارش کرتے ہیں۔ دعوت کے موقع پر مہنگے سے مہنگا کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ آپ کتنے لوگوں کو سمجھائیں گے؟ سمجھانے کی کوشش کریں گے تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔ اب ہم خوشی کے موقع پر اپنے رشتے داروں کو ناراض تو نہیں کرسکتے۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ ثمینہ نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔ جب ویٹر چلا گیا تو اس نے کہا۔ "میں تمہارے رشتے داروں کو جھوٹی شان و شوکت کا منہ توڑ جواب دے سکتا ہوں۔ مجھے ڈیفنس میں ایک کوٹھی مل رہی ہے۔ کار مل رہی ہے وہ دیکھیں گے تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے لیکن میں یہ سب چیزیں حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ کسی کا احسان نہیں لینا چاہتا۔"

"میں خود نہیں چاہتی کہ آپ میری خاطر کسی کے سامنے جھک جائیں۔ آپ کا سر اونچا رہے گا تو اس میں سب کی نیک نامی ہے۔"

خسرو نے خوش ہو کر بڑی محبت سے اسے دیکھا پھر کہا۔ "مجھے یقین ہے' تم میری ہم مزاج ہو اور ہمیشہ میری ہم خیال بن کر اسی طرح سوچتی رہو گی۔"

"بے شک' لیکن آپ کو بھی کسی حد تک میرا ہم خیال ہونا چاہئے۔ دیکھئے ہم تعلیم یافتہ ہیں آپ دوسرے شوہروں کی طرح حاکم بن کر نہیں رہیں گے صرف اپنی بات نہیں منوائیں گے کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں' بالکل ٹھیک ہے۔"

"میں بھی دوسری عورتوں کی طرح خواہ مخواہ ہر بات پر ضد نہیں کروں گی۔ اپنی ہر بات منوانے کی کوشش نہیں کروں گی۔"

"یقیناً تم ذہین، سگھڑ اور سلیقہ شعار بیوی ثابت ہو گی۔"

"ہاں! تو میں کہہ رہی تھی کہ ابو ہمارے رہنے کے لئے سوسائٹی میں ایک چھوٹی سی کوٹھی دینا چاہتے ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں شادی سے پہلے یا شادی کے بعد بھی سسرال سے کوئی چیز نہیں لینا چاہتا۔"

"یہ آپ کا اصول ہے کہ آپ سسرال سے کچھ نہیں لینا چاہتے لیکن دنیا کا دستور ہے، لڑکی اپنے ساتھ جہیز لے کر آتی ہے۔ میں اپنے جہیز میں کوٹھی اور کار وغیرہ لے کر آؤں گی۔"

"لیکن میں جہیز کی رسم کے خلاف ہوں۔"

"آپ تو گوشت کے خلاف ہیں۔ آپ شادی میں اچھا پہننے اور اچھا کھانے کے خلاف ہیں۔ آپ جہیز کے بھی خلاف ہیں۔ آپ قدم قدم پر مخالفت کرتے رہیں گے تو ازدواجی زندگی کیسے گزاریں گے؟ جائز باتوں کو تسلیم کرنے کے لئے کبھی اصولوں سے ہٹنا پڑے تو آدمی کو ہٹ جانا چاہئے۔ کوئی راضی خوشی جہیز دیتا ہے تو اس میں اعتراض کی بات نہیں ہے۔ البتہ لڑکی والوں سے جبراً جہیز حاصل کرنا ظلم ہے۔ آپ میرے والدین پر ظلم نہیں کر رہے ہیں۔ یہ راضی خوشی کی بات ہے لیکن آپ ہماری خوشی پر ہی اعتراض کر رہے ہیں۔ اگر اسی طرح ہر بات پر اعتراض کرتے رہیں گے تو بات کیسے بنے گی؟"

وہ اپنی کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ ویٹر کھانے کی ڈش لا کر رکھ رہا تھا۔ جب وہ چلا گیا تو اس نے کہا۔ "جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تمہارے والد کی مالی پوزیشن ایسی نہیں ہے کہ وہ سوسائٹی میں ایک کوٹھی خرید سکیں اور جہیز میں کار دے سکیں۔"

"آپ نہیں جانتے جب میں پیدا ہوئی تھی تب ہی سے میرے والدین نے تھوڑا تھوڑا جوڑنا شروع کیا تھا۔ اتنی رقم بچائی ہے اور میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ آپ جہیز کا سامان دیکھیں گے تو دنگ رہ جائیں گے۔ سوسائٹی میں انہوں نے بہت پہلے ہی میرے لئے

کوٹھی بنوائی تھی۔ کار اب خریدنے والے ہیں۔"

"لیکن ثمینہ! میں سسرال والوں کا اتنا احسان نہیں اٹھا سکوں گا۔"

"آپ کسی سیاسی پارٹی کا احسان نہیں اٹھا رہے ہیں، اور سسرال والوں کا احسان ہی کیا ہے۔ وہ تو میں جہیز لے کر آ رہی ہوں۔ آپ پر کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑے گا۔ اگر آپ کو ناگوار گزرے اور میں کبھی آپ کو طعنے دوں تو آپ بے شک وہ سارا جہیز میرے منہ پر پھینک دیجئے گا۔ میں کوئی جاہل عورت نہیں ہوں کہ ایسا موقع آنے دوں گی۔ کبھی آپ ناراض ہوئے اور میں نے یہ دیکھ لیا کہ میرا جہیز آپ کی ذہنی پریشانی کا باعث بن گیا ہے تو میں آپ کے سامنے ہی اپنی کوٹھی اور کار کو آگ لگا دوں گی۔ آپ میری محبت کو اور میری.........."

وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ سر جھکا لیا۔ شرمانے لگی۔ خسرو کو اس کی یہ ادا بہت اچھی لگی۔ وہ اسے بڑی محویت سے دیکھنے لگا وہ چند لمحوں کے بعد آہستگی سے بولی۔ "کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

وہ کھانے لگے۔ کھانے کے دوران تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ثمینہ نے کہا۔

"آج میں ایک اہم بات طے کر لینا چاہتی ہوں۔"

"کوئی ایسی بات کہنا جو میرے ذہن پر بوجھ نہ بنے۔"

"میں جائز بات کہوں گی۔ آپ اسے جائز تسلیم نہ کریں تو یہ آپ کی زیادتی ہوگی۔"

"تم کہو تو؟"

"شادی کے بعد گھر کی تمام ذمہ داریاں عورت پر ہوتی ہیں اور باہر کی تمام ذمہ داریاں مرد پر۔"

"بے شک، یہ ہونا بھی چاہئے۔"

"میں چاہتی ہوں کہ جب میرے سر پر ذمہ داری آئے تو میں صرف اپنے آپ کو نہ دیکھوں، آپ کے والدین کو، آپ کے بھائیوں کو، آپ کی بہنوں کو اپنا سمجھ کر ان کے مستقبل کو شاندار بنانے کی کوشش کروں۔"

"تم بہت اچھی ہو، میرے منہ کی بات کہہ رہی ہو۔"

"لیکن آپ اپنے ہی منہ کی بات واپس لے لیں گے جب میں آپ کی بہنوں کو

اچھے لباس پہناؤں گی۔ اپنے ساتھ شادی وغیرہ کی تقریبات میں لے جاؤں گی۔ انہیں ہلکا سا میک اپ کراؤں گی۔ آپ نہیں جانتے' جب تک کنواری لڑکیوں کو سجا بنا کر نہ رکھا جائے اس وقت تک رشتے نہیں آتے اور یہ صرف رشتے کی بات نہیں ہے۔ ایک اچھی ہنستی بولتی' معیاری زندگی گزارنے کے لئے لازمی ہے کہ ہمارے ساتھ آپ کی بہنیں بھی ہنستی بولتی رہیں۔ آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں۔ ابھی میری تعریفیں کر رہے ہیں اور میرے خلوص پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے تو آپ کو میری بات مان لینا چاہئے اور اپنے گھر والوں پر سے موجودہ پابندیاں ختم کر دینا چاہئیں۔"

وہ چپ چاپ کھاتے ہوئے سوچنے لگا۔ بار بار دماغ میں یہ خیال آ رہا تھا کہ شادی کی بات کو ابھی کچھ عرصے کے لئے ٹال دینا چاہئے۔ اس مسئلے پر اچھی طرح غور کرنا چاہئے اور اپنے جذبوں کا حساب کرنا چاہئے کہ ثمینہ کی ضرورت کس حد تک ہے۔

کھاتے کھاتے اچانک اسے خیال آیا کہ شادی کی بات کو وہ ٹال نہیں سکتا۔ شادی کا فیصلہ ابھی اس میز سے اٹھنے سے پہلے ہو جانا چاہئے اور کل کے اخبارات میں اس کی خبر شائع ہونی چاہئے ورنہ وہ تصویریں زبردست دھماکہ ثابت ہوں گی۔ اس کے سیاسی کیریئر کو تباہ کر دیں گی۔

اس نے کہا۔ "اگر میں بوجھ بن رہی ہوں تو مجھے دماغ سے نکال دیجئے۔"

"یہ بات نہیں ہے ثمینہ! میں چاہتا ہوں' اس مسئلے پر ابھی غور کیا جائے۔ اتنی جلدی فیصلہ کرنا دانشمندی نہیں ہوگی' لیکن وہ تصویریں میرے لئے مصیبت بن گئی ہیں۔ کل شادی کا اعلان نہ ہوا تو میں بری طرح بدنام ہو جاؤں گا۔"

ثمینہ نے بڑے ہی دکھ بھرے انداز میں کہا۔ "کتنے افسوس کی بات ہے' آپ محض بدنامی کا خیال کرتے ہوئے میری ضرورت کو محسوس کر رہے ہیں۔ میں اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں کہ آپ دل کی گہرائیوں سے مجھے اپنانا چاہتے ہیں اور میرے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہیں۔"

"میں بالکل تمہیں اپنانا چاہتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے اپنانا چاہتا ہوں۔ تمہارے لئے قربانیاں بھی دے سکتا ہوں مگر کچھ سوچنا سمجھنا تو چاہئے۔"

ثمینہ نے جل کر کہا۔ "آپ کے پاس تو سوچنے سمجھنے کا بھی حوصلہ نہیں ہے۔ حوصلہ

کریں گے تو اخبارات میں شائع ہونے والی تصویروں سے ڈرتے رہیں گے۔ آپ نے لیڈر بن کر اپنے آپ کو بزدل بنا لیا ہے۔ دنیا میں اور بھی تو لیڈر ہیں کتنی بیباکی سے بیانات دیتے ہیں۔ کتنی بے باکی سے سیر و تفریح کرتے ہیں۔ قیمتی کاروں میں گھومتے ہیں۔ شاندار کوٹھیوں میں رہتے ہیں۔ کوئی ان کا محاسبہ نہیں کرتا۔ آپ دنیا سے نرالے ہیں؟"

وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ "تم تو ابھی سے بیوی کی طرح لڑنے لگی ہو۔"

اسی وقت ویٹر نے آکر پوچھا۔ "اور کچھ چاہئے جناب؟"

ثمینہ نے کہا۔ "نہیں بل لے آؤ۔"

وہ ڈشیں سمیٹ کر چلا گیا۔ ثمینہ نے کہا۔ "اگر ہماری شادی کا اعلان ہو جائے اور اس کے بعد وہ تصویریں شائع ہوں تب بھی آپ بدنام ہو جائیں گے۔"

خسرو نے حیرانی سے پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

"ایسے کہ اس نے اوپن ایئر ریستوران میں ہماری تصویریں اتاری ہیں۔ آپ گوشت جیسی مہنگی چیزیں کھانے کے خلاف ہیں۔ یہاں اس مہنگے ہوٹل میں میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ آپ اخبارات میں تردیدی بیان کیا دیں گے۔"

خسرو نے اپنے سر کو تھام کر کہا۔ "بڑی مصیبت ہے۔ میں نے یہ سوچا ہی نہیں تھا۔ مجھ جیسے آدمی کو بہت محتاط رہنا چاہئے تھا۔"

"میں نے آپ کو یہاں آنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ آپ سے مشورہ لیا تھا۔ آپ راضی ہوئے تو میں آئی ہوں۔"

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہا ہوں۔"

"پھر اس طرح کیوں پچھتا رہے ہیں' جیسے میرے ساتھ آکر گنہگار بن گئے ہوں۔ کیا مجھے اپنی توہین کا احساس نہیں ہو رہا ہے؟"

اس نے جلدی سے کہا۔ "ارے نہیں' تم تو خواہ مخواہ کی باتیں سوچنے لگی ہو۔ تمہارے ساتھ بیٹھ کر میں بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برسوں کے بعد میری زندگی میں بہار آئی ہے۔"

"پھر بہاروں کے جھونکے محسوس کرتے ہوئے سوچئے۔ پریشانیوں کو دل و دماغ سے نکال دیجئے۔ جو لوگ اپنے گھر میں کچھ اور طرح سے زندگی گزارتے ہیں۔ باہر کچھ اور

طرح سے' انہیں بار بار اپنے بیانات بدلنے پڑتے ہیں۔ آپ تردیدی بیان میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو تصویریں ہماری اتاری گئی ہیں وہ اوپن ایئر ریستوران میں منگنی کی رسم کی تصویریں ہیں۔ وہاں اور بھی رشتے دار تھے جو تصویروں میں نظر نہیں آ رہے ہیں۔ منگنی اور شادی بیاہ کے موقع پر مہنگا کھانا کھایا جاتا ہے۔"

اسے محسوس ہوا جیسے وہ خود پیچ در پیچ زنجیروں میں جکڑتا جا رہا ہے۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس میں ثمینہ کا قصور نہیں تھا۔ ثمینہ نے اسے جبراً ریستوران میں آنے اور کھانے کے لئے نہیں کہا تھا۔ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ کوئی آ کر ان کی تصویریں اتارے۔ عورت جب کسی سے محبت کرتی ہے تو اسے کسی طرح کی تکلیف نہیں پہنچاتی۔ اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتی ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ چاہنے والے کی جذباتی غلطیوں سے ہوتا ہے۔ ایک طویل عرصے بعد ثمینہ اس کی اتنی اہم ضرورت بن گئی تھی کہ اس ضرورت کو ٹال نہیں سکتا تھا' غلطیاں کر سکتا تھا۔

ویٹر بل لے کر آ گیا۔ بانوے روپے پچاس پیسے کا بل تھا۔ ثمینہ اپنا پرس کھولنے لگی۔ خسرو نے جلدی سے کہا۔ "یہ کیا کر رہی ہو ٹھہر جاؤ۔"

اس نے جلدی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بل کے ساتھ رکھ دیا۔ اس نے کبھی کبھار مہنگا کھانا ضرور کھایا تھا لیکن آج پہلی بار مہنگے کھانے کا بل خود ادا کر رہا تھا۔

ثمینہ نے ویٹر سے کہا۔ "باقی رکھ لو۔"

ویٹر شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ خسرو کو اٹھنا چاہئے تھا لیکن وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ یہ تو سراسر فضول خرچی تھی۔ سات روپے آٹھ آنے خواہ مخواہ ٹپ دی گئی تھی حالانکہ بڑے بڑے ہوٹلوں میں ایسا ہوتا ہے۔

ثمینہ نے اپنے پرس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے! میں آپ پر نہ تو بوجھ بننا چاہتی ہوں' نہ آپ کے مزاج کے خلاف کوئی کام کرنا چاہتی ہوں۔ جب بھی ایسا کوئی کام کروں گی تو وہ میری کمائی سے ہوگا۔ موجودہ سوسائٹی میں یہ ہماری مجبوریاں ہیں۔ ایسا ہوتا ہے لیکن میں آپ کی کمائی کا ایک پیسہ بھی ضائع نہیں کروں گی۔ پلیز یہ سو روپے رکھ لیجئے۔"

خسرو نے ایک گہری سانس لی۔ شکست خوردہ انداز میں ثمینہ کو دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ نوٹ اپنے پاس رکھ لو' اپنا ہاتھ میرے پاس چھوڑ دو۔"

☆------☆------☆

تیسرے دن کے اخبارات میں دو طرح کی خبریں شائع ہوئیں ایک تو وہ تصویریں جن کے ساتھ یہ لکھا ہوا تھا۔ "اے' جی خسرو اور ایک اخباری دوشیزہ کا رومانس۔ سنا ہے چوری چھپے تفریح گاہوں اور ریستوران وغیرہ میں ملاقات کرتے ہیں۔"

دوسری خبر ان کی شادی کا اعلان تھی۔ "عنقریب اے' جی خسرو اور ثمینہ درانی ازدواج میں منسلک ہونے والے ہیں۔ چھبیس ستمبر کی رات کو شالیمار ریستوران میں ا رسم ادا کی گئی۔ شادی کی تاریخ کا اعلان جلد ہی کیا جائے گا۔"

جن مخالفوں نے منہ مانگی قیمت پر وہ تصویریں حاصل کی تھیں' انہیں اپنی شکست کا طرح احساس ہوا۔ وہ یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلیاں دینے لگے۔ "چلو' کوئی بات اے' جی خسرو شادی کا اعلان کرکے پھنس گیا ہے۔ اسے شادی کرنی ہی پڑے گی۔"

شادی یوں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ امیر لوگ تو ہنستے بولتے کرلیتے ہیں۔ غریب بھی بسورتے یہ خوشیاں پوری کرلیتے ہیں۔ مصیبت درمیانے طبقے کے لوگوں کی ہے جو میر ہوتے ہیں نہ زیادہ غریب' بلکہ غریب ہوکر امیری کا لباس پہنے سوسائٹی میں پھنس چلتے ہیں۔ خسرو کے لئے یہی بات پریشانی کا سبب تھی۔ ثمینہ اسے چادر سے زیادہ پھیلانا سکھا رہی تھی۔ کہتی تھی۔ "ہمیں جینے کا حق ہے اور ہمیں جینے کے ڈھنگ نا چاہئے۔ بوڑھے ماں باپ اگر چٹائی پر سوتے ہیں تو یہ سادہ زندگی نہیں ہے بلکہ ان ماں باپ پر ظلم ہے۔ ان کے کمزور جسم زمین کی سختی کو برداشت کرتے ہیں۔ گرمی کے میں زمین گرم ہوتی ہے سردی کے موسم میں انتہائی سرد ہوتی ہے اور بوڑھے ا کا عذاب سہتے رہتے ہیں۔"

یک ہفتے بعد ہی جب ثمینہ کو اپنی ماہانہ تنخواہ ملی تو وہ اپنی ہونے والی ساس اور سسر دو عدد پلنگ خرید کر لے آئی۔ خسرو نے دیکھا تو حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہی

ہو؟"

"وہی کر رہی ہوں جو میرا فرض ہے۔ سب سے پہلے میں آپ کے والدین کو آرام پہنچاؤں گی۔ کیا آپ مجھے میرے فرض کی ادائیگی سے روکیں گے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ جو مجھے کرنا چاہئے وہ تم دلہن بن کر آنے سے پہلے کر رہی ہو۔ یہ معیوب سی بات ہے۔ مجھے شرم آتی ہے۔"

"اس لئے آتی ہے کہ آپ نے چٹائی کو سادہ زندگی سمجھ لیا۔ خود بھی تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔ اپنے بھائی بہنوں اور بوڑھے والدین کو بھی اس پر مجبور کرتے رہے لیکن میری موجودگی میں ایسا نہیں ہوگا۔ میں آپ کی شریکِ حیات بن کر آنے سے پہلے یہاں کے ماحول کو بدل دوں گی۔"

"تم نے تو یہ کہہ کر مجھے پابند کردیا ہے کہ میری کمائی کا ایک پیسہ ضائع نہیں کرو گی۔ سب اپنی کمائی سے کرتی رہو گی لیکن یہ اچھا نہیں لگتا کہ عورت کی کمائی سے میرا گھر چلے۔"

"آپ یہ بتائیں' میری کمائی کس گھر میں جائے گی؟ میرے میکے میں یا اس گھر میں جو ہمیشہ کے لئے میرا ہونے والا ہے؟"

"تمہاری حرکتیں مجبور کررہی ہیں کہ میں اپنے گھر کے لئے کچھ فرنیچر خریدوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے جناب! میں نے آپ سے کہہ دیا ہے۔ جہیز میں اتنا فرنیچر' اتنا سامان لاؤں گی کہ ایک تنکا بھی خریدنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور سنئے' اگلے ہفتے میرے ایک کزن امریکہ سے آرہے ہیں۔ میرے ایک انکل اسلام آباد میں ڈسٹرکٹ میڈیکل آفیسر ہیں وہ بھی اگلے ہفتے آرہے ہیں۔ ے۔ اکتوبر کو ہمارے ہاں اور بھی اہم رشتے داروں کی گیدرنگ ہے۔ وہ سب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کچھ باتیں کریں گے۔ اب آپ فرمائیں کہ کس حلیے میں میرے ہاں تشریف لائیں گے؟"

"کیا تم میرا حلیہ بھی بدلنا چاہتی ہو؟"

"جی ہاں' آپ شلوار قمیض پہن کر جلسوں میں جاتے ہیں۔ تقریریں کرتے ہیں۔ یہ قومی لباس ہے۔ عوام کے سامنے اسی لباس میں رہنا چاہئے لیکن میں تو خاص لوگوں کی باتیں کر رہی ہوں آپ خاص طور پر سوٹ اور ٹائی پہن کر آئیں گے۔"

"میں ایسے لباس نہیں پہنتا ہوں۔"

"میں نے آپ کی پچھلی تصویریں دیکھی ہیں۔ آپ سلیقہ بیگم کے ساتھ سوٹ اور نکٹائی میں نظر آرہے ہیں۔ کہئے تو میں وہ تصویر نکال کر دے دوں۔"

"وہ تو برسوں پرانی بات ہے۔ اب میرے طور طریقے بدل گئے ہیں۔"

"آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ سلیقہ بیگم اس قابل تھیں کہ آپ ان کے ساتھ اپ ٹو ڈیٹ بن کر رہتے تھے۔ میں اس قابل نہیں ہوں۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو۔ آخر شروع کردیں نا عورتوں والی باتیں۔ بھئی یہ شادی مجھے بڑی مہنگی پڑ رہی ہے۔"

ثمینہ کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ بات اس کے دل کو لگی تھی۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ کر بولی۔ "یعنی آپ شادی سے پہلے ہی پچھتا رہے ہیں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔"

ثمینہ نے منہ پھیر لیا۔ "اب آپ صفائی پیش کریں گے لیکن دل کی بات تو زبان پر آہی گئی ہے۔ دراصل یہ میری خوش فہمی تھی۔ میں نے وقت سے پہلے ہی آپ کو اپنا سمجھ لیا۔ وقت سے پہلے ہی اس گھر کی کرتا دھرتا بن گئی۔ اچھا ہوا کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تم میرے گھر کے لئے ہی کر رہی ہو' مگر میں خود کو کمتر محسوس کر رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں نے آج تک اپنے گھر اور گھر والوں کے لئے کچھ نہیں کیا اور تم نے پل بھر میں بہت کچھ کر دیا ہے۔ تم میری زندگی میں آنے سے پہلے ہی برتری حاصل کر رہی ہو۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے۔ عورت گھر کی ذمہ داریوں کو نہ سمجھے۔ ایک بیوی اور بہو کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا نہ کرے تو پھوہڑ کہلاتی ہے' اور وہی عورت تعلیم یافتہ ہو' اپنے فرائض کو سمجھتی ہو' تمام گھریلو ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی پورا کرتی ہو۔ اپنے شوہر کے غلط طرز عمل کی تلافی کرتی ہو تو شوہر صاحب احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ آپ بتائیں' آخر عورت کرے تو کیا کرے؟"

خسرو کے والد نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "بیٹے! مجھے تمہارے معاملات میں

دخل تو نہیں دینا چاہئے مگر میں مجبور ہو کر بولنے آیا ہوں۔ تم لوگ جو چاہو کرو مگر میری بہو کو ناراض نہ کرو ورنہ ہم سب تم سے ناراض ہوجائیں گے۔"

ثمینہ نے کہا۔ "انکل آپ کے صاحبزادے سمجھتے ہیں کہ میں سیٹھ ستار بھائی اور سیٹھ غفار بھائی کی طرح ان پر کچھ خرچ کرکے ان سے بہت زیادہ منافع حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔"

"صحیح تو صرف آپ سمجھتے ہیں۔ اگر اتنے ہی سمجھ دار ہوتے تو اس پہلو پر غور کرتے کہ میں جو کر رہی ہوں تو کس کے لئے کر رہی ہوں۔ آپ کے لئے' آپ کے والدین کے لئے' آپ کے بھائیوں کے لئے اور بہنوں کے لئے' اور خود اپنے لئے کیونکہ یہ گھر میرا ہے لیکن آپ میری محبت کو' میرے خلوص کو نہیں سمجھ سکتے۔ شاید آپ کے دماغ کے کسی گوشے میں یہ بات ہو کہ میں اپنے میکے سے دنیا بھر کا جہیز لے کر آؤں گی اور آپ کو زیربار کروں گی۔ اگر ایسا سوچتے ہیں اور میرے خلوص پر شبہ کرتے ہیں تو شبے کا علاج نہ حکیم لقمان کے پاس تھا نہ میرے پاس ہے۔"

اس نے شکایت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر وہاں سے جانے لگی' خسرو نے کہا۔ "ثمینہ رک جاؤ۔"

وہ دروازے پر رک گئی۔ پلٹ کر بولی۔ "آپ مہنگی چیزیں خریدنے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور آپ نے ابھی اپنی زبان سے کہہ دیا ہے کہ یہ شادی مہنگی پڑ رہی ہے۔ آج پتہ چلا کہ کچھ لوگ شادی کرتے وقت ایک بنیے کی طرح ارزانی اور گرانی کا حساب کرتے ہیں۔ آپ حساب کرتے رہیں۔"

یہ کہتے ہی وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر تیزی سے چلتے ہوئے' باہر جاتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ خسرو نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازے پر پہنچ کر' اسے آواز دی' لیکن وہ پلٹ کر نہیں آئی۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ کیا کرے؟ وہیں کھڑا رہ جائے کہ اس کے پیچھے جائے؟ آج تک وہ کسی عورت کے پیچھے نہیں گیا تھا' اس لئے آگے بڑھتے ہوئے ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی۔

اس نے پلٹ کر کمرے میں اپنے والد کو دیکھا۔ بوڑھے باپ نے آگے بڑھتے ہوئے

پوچھا۔ "کچھ سمجھ میں آیا؟ نہیں سمجھو گے۔ عورت جب اپنا گھر بساتی ہے تو یہی کرتی ہے جو ہماری ہونے والی بہو کر رہی ہے۔ اگر اس گھر میں پہلے سے کچھ موجود ہوتا تو وہ کچھ نہ کرتی۔ اطمینان سے دلہن بن کر چلی آتی۔ تم نے اسے بے اطمینان کیا ہے۔ اس کے اندر ایک عورت کو بھڑکایا ہے کہ پہلے وہ اپنا گھر بنائے' پھر دلہن بن کر آئے۔"

وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں کیا کروں' سمجھ میں نہیں آتا۔"

"سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ گھر بنا رہی ہے' بگاڑ نہیں رہی ہے۔"

اتنے میں خسرو کی امی تیزی سے چلتے ہوئے کمرے میں آئیں۔ انہوں نے بیٹے کو دیکھا۔ پھر پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ بہو رو کیوں رہی تھی؟ میں نے کہا' بیٹی! واپس آجاؤ لیکن وہ نہیں آئی۔ رکشہ میں بیٹھ کر آنسو پونچھتے ہوئے چلی گئی۔"

خسرو ایک دم سے تڑپ گیا۔ اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کوئی اس کے لئے رو رہی تھی۔ ہائے! سوچو تو رونے والی پر کتنا پیار آتا ہے۔

تب اس رونے والی کے خیالی آنسوؤں نے اسے سمجھانا شروع کیا۔ وہ جو کچھ کر رہی ہے محبت سے کر رہی ہے' خلوص سے کر رہی ہے' اپنا سمجھ کر کر رہی ہے اور وہ ہے کہ ہر بات پر اعتراض کئے جا رہا ہے' صرف اس لئے کہ اس کے اصولوں کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ محبت سے سوچو تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے دماغ نے سمجھایا کہ دنیا میں کتنے ہی دانشوروں نے' کتنے ہی فلسفیوں نے طرح طرح کے اصول بنائے۔ ہر دانشور اور فلسفی اپنے اصولوں کو مستند اور جامع سمجھتا رہا۔ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ اس نے جو اصول بنائے ہیں وہ ثمینہ کے لئے اور دوسروں کے لئے مستند اور جامع ہوں۔ ان میں تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں اور ثمینہ تبدیلیاں لا رہی تھی۔

بے شک عورت مرد کے لئے بڑی اہم ہوتی ہے لیکن بعض مردوں کی نظروں میں عورت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ کم از کم خسرو نے نو برس تک عورت کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ عورت کی محرومی نے اسے دوسری چیزوں سے محروم رہنا سکھا دیا۔ واقعی کتنی ہی ضروریات کے بغیر وہ اب تک گزارہ کرتا چلا آ رہا تھا۔ اب یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ انسان شہری آبادی سے اور شہری ضروریات سے دور جنگل میں بھی زندہ رہ سکتا

کمرے سے باہر آیا۔ چھوٹے سے آنگن میں پہنچ کر دیکھا۔ سامنے ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دروازے سے ذرا فاصلے پر وہ کمرے کے اندر ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑی محویت کے عالم میں تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی اور سوچنے کے دوران بے خیالی میں انگوٹھے کو ہونٹوں میں دبائے سلیقہ بیگم کی یاد تازہ کر رہی تھی۔

وہ چپ چاپ دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے بڑی دلچسپی سے' بڑی محبت سے دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے کلیاں انگڑائی لے کر پھول بننے لگیں۔ کنول کا حسن کیچڑ سے خوشبو نچوڑ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اپنی آمد کا احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔ بس اسی طرح اسے بچپن اور جوانی کے سنگم پر دیکھتے رہنا چاہتا تھا۔

پھر وہ خود ہی جانے کیسے چونک گئی۔ اس نے ذرا سر گھما کر دیکھا تو وہ سامنے کھڑا ہوا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی جلدی سے سر پر آنچل رکھ کر منہ پھیرنے لگی۔ خسرو نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم ناراض ہو کر چلی آئیں۔ میں تمہیں منانے آگیا اب تو غصہ ختم ہو جانا چاہئے۔"

"مجھے غصہ دکھانا نہیں آتا۔"

"پھر یہ کیا ہے؟"

"میں نے کچھ عرصہ کے لئے فاصلہ قائم کیا ہے۔"

"فاصلہ کب تک قائم رہے گا؟"

"جب تک آپ اپنی ضروریات کی تمام مہنگی چیزوں کی ایک فہرست نہ بنالیں۔ میں اس فہرست میں دیکھوں گی کہ میرا نام ہے یا نہیں؟ اس کے مطابق فاصلہ کم ہو گا یا پھر اتنا بڑھ جائے گا کہ ہم ایک دوسرے کو نظر نہیں آئیں گے۔"

"ہاں' ہم نظر نہیں آئیں گے۔ ہم اتنے قریب ہوں گے ایک دوسرے کے اتنے قریب ہوں گے کہ ہماری نظریں بھی ہمیں نہیں دیکھ سکیں گی۔"

"آپ لچھے دار باتیں کر رہے ہیں۔ میں حقیقت سننا چاہتی ہوں۔"

"تم میری زندگی کی بہت اہم ضرورت ہو اور اہم ضرورت کے لئے ارزانی اور گرانی نہیں دیکھی جاتی۔"

"یہ آپ کا جذباتی فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو بہت اچھا مشورہ دیتی ہوں۔

ہے لیکن اس جنگل میں ایک عورت چھم چھم کرتی آجائے تو تمام مخالفانہ سنہرے اصول اس کے پیچھے ہاتھ باندھے چل پڑتے ہیں۔

وہ گھر سے نکل گیا۔ پیدل ہی ایک طرف چلنے لگا۔ کوچہ جاناں کی طرف جاتے ہوئے سوچنے لگا کہ ادھر نہیں جانا چاہئے۔ اپنے جذبات کو کچل دینا چاہئے۔ راستے کو بدل دینا چاہئے۔

وہ راستہ بدل کر جانے لگا۔ بس یونہی کوئی مقصد نہیں تھا۔ کوئی منزل نہیں تھی۔ سامنے جو راستہ دکھائی دیتا تھا اس پر چل پڑتا تھا۔ ایک گلی سے دوسری گلی۔ دوسری گلی سے تیسری گلی۔ پھر یہ انکشاف ہوا کہ اس شہر کی ہر گلی درِ جاناں تک جاتی ہے۔ جب وہ تھک کر رک گیا۔ رکنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ ثمینہ کے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔

اس نے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی ہونے والی ساس نے دروازہ کھولا۔ اسے دیکھتے ہی مسکرائیں خوش ہو کر بولیں۔ "آؤ بیٹے! آجاؤ۔"

انہوں نے دروازے کو پوری طرح کھول دیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "میں دراصل انکل سے ملنے آیا ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ "تم تو جانتے ہو وہ اس وقت دفتر میں ہوتے ہیں۔ بہرحال بیٹھو تو سہی۔ میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں اسے تلاش کر رہی تھیں جو نظر نہیں آرہی تھی۔ اس کا دل پوچھ رہا تھا۔ وہ واپس آچکی ہے یا نہیں؟ شاید وہ دفتر چلی گئی ہو یا کسی سہیلی کے ہاں گئی ہو۔

دل کی بات کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ بڑی بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ یقیناً وہ گھر میں ہوگی تو اس کی امی نے اسے بتایا ہوگا۔ پھر وہ کیوں نہیں آئی؟ اس کی ساس نے آکر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس کا تو منہ پھولا ہوا ہے۔ ایسے وقت وہ کسی کی نہیں سنتی۔ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ وہ اپنے کمرے میں ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔ خسرو تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر اس

آپ ایک ماہ تک اس مسئلے پر غور کریں۔ اس کے ایک ایک پہلو کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ابھی آپ کی زندگی میں باقاعدہ داخل نہیں ہوئی ہوں لیکن ابھی سے میں نے آپ کے اصولوں کو بدلنا شروع کر دیا ہے۔ میں اس بات کو مانتی ہوں۔ اگر آپ کے اصولوں پر ساری قوم عمل کرلے تو مہنگائی ایک ہی دن میں ختم ہو جائے لیکن ساری قوم کے لئے یہ مہم چلائی نہیں جاسکتی۔ مہنگائی کو اس طرح ختم کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ اس دشواری کو آپ میرے تعلق سے سمجھ سکتے ہیں۔ میں خواہ آپ کے لئے کتنی ہی مہنگی پڑوں' خواہ آپ کو اپنے اصولوں سے منحرف ہونا پڑے تب بھی آپ میری تمنا کرتے رہیں گے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف لوگوں کی مختلف ضروریات ہیں۔ ہر شخص کی نظر میں اس کی اپنی ضرورت اہم ہوتی ہے۔ کوئی روٹی کو اہمیت دیتا ہے کوئی عورت کو اور کوئی گوشت کو۔ بہت سے لوگ دو وقت فاقے کرکے اور ان روٹیوں کے پیسے بچا کر اچھا لباس پہننا پسند کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو نہ تو اچھا کھانا پسند کرتے ہیں نہ اچھا پہننا پسند کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نظروں میں اپنے گھر کا ڈرائنگ روم سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اس ڈرائنگ روم کو اچھے فرنیچر' ٹی وی' کیسٹ ریکارڈر اور دوسرے نمائشی سامان سے سجانے کے لئے وہ ہر طرح کی تکالیف برداشت کرلیتے ہیں۔ اپنا من مارتے ہیں۔ اپنے ضمیر کو بھی مارتے ہیں' طرح طرح سے ناجائز رقمیں حاصل کرتے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح اس نمائش کو جاری رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں سب سے زیادہ اہمیت نمائش کی ہے۔ ہم سب کچھ ختم کرسکتے ہیں۔ شاید آپ کی مہم کامیاب ہو جائے تو ایک ماہ تک گوشت کھانا بھی چھوڑ سکتے ہیں لیکن نمائش نہیں چھوڑ سکتے۔"

"تم پوری قوم کی باتیں کر رہی ہو اور میں اپنی اور تمہاری بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بتاؤ ہم دونوں اپنی ضروریات میں کس حد تک کمی کرسکتے ہیں؟"

"آپ ایک لیڈر ہیں۔ رہنما ہیں۔ آپ قوم سے الگ نہیں ہوسکتے۔ اس وقت میں پوری قوم میں سے ایک فرد ہوں۔ اگر آپ مجھے ضروریات کم کرنے کے سلسلے میں کہہ رہے ہیں تو گویا پوری قوم کو کہہ رہے ہیں۔ اگر سب ہی ایسا کرسکتے ہیں تو میں بھی ضرور کروں گی اور سب ایسا نہیں کرسکتے تو پھر مجھ اکیلی سے یہ سوال نہ کریں۔"

"میں تم سے سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ ہم دونوں ایک ازدواجی گھریلو زندگی

گزارنے والے ہیں۔ ہمارے رشتے' ہماری محبتیں دوسروں سے مختلف ہیں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "چلیے آپ گھریلو معاملات میں ہی باتیں کریں۔ آپ میری ایک بات کا جواب دیں۔ آپ کے گھر والے آپ کو کس قدر چاہتے ہیں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ وہ میری ہر خواہش کو اپنی خوشی سمجھتے ہیں۔ جو کہتا ہوں اس پر عمل کرتے ہیں۔"

"یہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ وہ معمولی لباس پہنتے ہیں' آپ جو کھلاتے ہیں' کھا لیتے ہیں۔ یعنی یکطرفہ محبت ہے۔ سب آپ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ کسی سے محبت نہیں کرتے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ اپنی بہنوں سے محبت کرتے تو یہ سوچتے کہ لڑکیاں شادی بیاہ کی تقریب میں جا کر دوسروں کے سامنے کس طرح احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتی ہوں گی۔ میک اپ سے جگمگاتے ہوئے روشن چہروں کے سامنے پھیکی پھیکی لگتی ہوں گی۔ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی ہوں گی' اور سرد آہ بھر کر رہ جاتی ہوں گی۔"

خسرو نے کہا۔ "حسن میں بناوٹ نہ ہو' سادگی ہو تو وہ ہزار میک اپ سے بھاری ہوتا ہے۔"

"یہ آپ اپنے نظریے سے کہہ رہے ہیں۔ یا ان کی نمائندگی کر رہے ہیں جو عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید کر کے رکھتے ہیں کسی دوسرے کی نظر اس پر پڑنے نہیں دیتے۔ کوئی دیکھ بھی لے تو وہ ہر طرح کی سجاوٹ سے خالی ہو۔ پھیکی پھیکی ویران ویران سی لگتی ہو۔ یہ عورت کے خلاف سازش ہے ورنہ آج کی دنیا میں نہ تو بلیک اینڈ وہائٹ فلمیں بنتی ہیں اور نہ ہی لوگ بلیک اینڈ وہائٹ ٹی وی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ سب ہی کلر فلموں اور کلر ٹی وی کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ رنگینی سب کو پسند ہے۔ پچھلے زمانے میں لوگ رنگوں کو سمجھتے ضرور تھے لیکن رنگوں کو قابو میں کرنا نہیں جانتے تھے۔ آج ہم نے اسے قابو میں کیا ہے ان رنگوں کو اپنے چہروں پر اتارا ہے۔ ہم نے قدرت کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کی ہے' کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ جس طرح آپ یہ کہتے ہیں کہ مہنگی چیزیں خریدنا چھوڑ دیا جائے تو مہنگائی ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح آپ اس قوم کے تمام مردوں سے کہئے

کہ وہ اپنی عورتوں کو میک اپ نہ کرنے دیں بلکہ میک اپ کا سامان ہمارے ملک میں کبھی نہ آئے لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے' مردوں کی اکثریت عورتوں کو کلر فل دیکھنا چاہتی ہے۔"

خسرو نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ "میں تم سے جب بھی کوئی بات کرتا ہوں تو وہ بحث کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بھئی ہمیں کسی نتیجے پر پہنچنا چاہئے۔"

"محبت کا نتیجہ شادی ہے۔ ہم شادی تک پہنچ رہے ہیں۔ اب شادی کا جو نتیجہ ہوتا ہے اس پر آپ غور کریں۔ میں تو غور کر چکی ہوں۔ اپنا فیصلہ سنا چکی ہوں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ بازار چلنے کے لئے آیا ہوں۔ تم اپنی پسند سے میرے لئے سوٹ کا کپڑا ٹائی اور جوتے وغیرہ خرید دو۔ اب تو خوش ہو؟"

وہ خوش ہو گئی۔

☆------☆------☆

اے' جی خسرو دو طرفہ مصروفیات میں الجھا ہوا تھا۔ ایک طرف شادی کی دلچسپ تیاریاں تھیں۔ دوسری طرف لیڈری کی الجھنیں تھیں۔ کچھ اس طرح زندگی گزر رہی تھی کہ ایک طرف وہ تقریریں کرتا تھا' بیانات دیتا تھا کہ وہ برسر اقتدار آئے گا تو روٹی' کپڑے اور مکان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سستی کر دے گا حتیٰ کہ ہر غریب آدمی کو رہنے کے لئے ایک مکان میسر ہو گا۔ دوسری طرف وہ اقتدار حاصل کرنے سے پہلے ہی اپنے پورے گھر والوں کے ساتھ سوسائٹی کی شاندار کوٹھی میں منتقل ہو گیا تھا۔ ثمینہ کے رشتہ دار اسلام آباد سے آئے تھے امریکہ سے آئے تھے اور خسرو جیسا بڑا لیڈر ان سے کمتر نہیں ہو سکتا تھا۔ ثمینہ کے احساسِ برتری کا خیال رکھتے ہوئے اعلیٰ سوسائٹی میں سوٹ ٹائی پہنتا تھا۔ جلسے' جلوس میں شلوار قمیض پہن کر شریک ہوتا تھا۔ اپنے اور ثمینہ کے رشتہ داروں کے ساتھ پکنک منانے جاتا۔ کسی تقریب میں شریک ہوتا تو ہیٹ' پی کیپ' سنگی کیپ' گولف کیپ پہنتا تھا۔ اخبارات کے لئے تصویریں اتارتے وقت جناح کیپ پہن لیا کرتا تھا۔

وہ کبھی ثمینہ سے پوچھتا تھا۔ "یہ میں کیا کر رہا ہوں؟"

"وہی کر رہے ہیں جو حالات کا تقاضا ہے۔ آپ صرف مزدوروں کے راہنما ہوتے تو

چٹائی پر بیٹھ کر سادہ زندگی گزار کر کامیاب لیڈر بن سکتے تھے' لیکن آپ پوری قوم کے لیڈر ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ہر طبقے کو خوش رکھیں۔ ہر طبقے میں ان کے طرز رہائش کے مطابق گھل مل کر رہیں۔ تبھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

اور وہ کامیاب ہونے کے لئے دن رات کوششیں کر رہا تھا۔ اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کے گلی کوچوں میں جاتا تھا۔ تقریریں کرتا تھا۔ وہاں کے نمائندہ لوگوں کو سمجھاتا تھا۔ مخالف پارٹیوں کے لیڈروں سے اپیل کرتا تھا کہ منگائی ٹھاہ کی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ان سے تعاون کریں۔ اس میں عوام کی بھلائی ہے۔

اس سلسلے میں جگہ جگہ پوسٹر چسپاں کئے جا رہے تھے۔ دیواروں پر لکھایا جا رہا تھا۔ "منگائی ٹھاہ۔ دسمبر کی پہلی تاریخ سے اکتیس تاریخ تک گوشت نہ خریدیں۔ گوشت نہ پکائیں گوشت نہ کھائیں۔"

ایک اخباری رپورٹر نے سوال کیا۔ "جناب خسرو صاحب! آپ نے گوشت پر پابندی عائد کی ہے لیکن ہمارے لوگ مچھلیاں کھا کر گوشت کی کمی کو پورا کریں گے۔ پھر یہ پابندی تو نہ ہوئی؟"

"میں تو چاہتا ہوں کہ لوگ اس دوران مچھلیاں کھائیں اور گوشت کو بھول جائیں۔ میری تحریک گوشت کی بڑھتی ہوئی قیمت کے خلاف ہے۔ میں گوشت کی مناسب قیمت طے کرانا چاہتا ہوں چراگاہوں اور مویشیوں سے لے کر گوشت کی دکانوں تک قصائیوں اور مویشی فروشوں کے جو مسائل ہیں انہیں جس قدر اخراجات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور حکومت کو جو ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں تو ان کی شکایات یا تلافی وہ حکومت سے نہیں کراتے بلکہ سیدھے عوام کی جیبوں پر بوجھ ڈالتے ہیں۔ میں ان کے خلاف جہاد کر رہا ہوں۔"

ایک اور اخبار کے نمائندے نے سوال کیا۔ "جناب خسرو صاحب! ہم پوری قوم کو مسلمان بنا سکتے ہیں لیکن مومن نہیں بنا سکتے۔ مومن بننے کے لئے جذبے کی سچائی اور عمل کا حوصلہ چاہئے۔ اسی طرح آپ قوم کو گوشت کی منگائی کے خلاف احتجاج کرنے پر آمادہ کر سکتے ہیں لیکن پوری قوم کو گوشت کھانے سے نہیں روک سکتے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی تحریک کے دوران لوگ خفیہ طور پر اپنے گھروں میں گوشت کھائیں گے' اور

گوشت خریدیں گے؟"

اس نے جواب دیا۔ "یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے ویسے میں عوام سے ہاتھ جوڑ کر التجائیں کر رہا ہوں کہ وہ پوری دیانتداری سے منگائی کے خلاف جہاد کریں۔ گوشت کے خلاف جو تحریک چلنے والی ہے یہ ایک نمونہ ہے۔ اگر اس میں کامیابی ہوئی تو آئندہ دوسری منگی چیزوں کے خلاف تحریکیں چلیں گی۔ اس طرح رفتہ رفتہ ہمیں امید ہے کہ منگائی نسبتاً کم ہوتی جائے گی۔ اگر تحریک پچاس فیصد بھی کامیاب رہی تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ کم از کم منگائی بڑھاتے رہنے کا رجحان ختم ہو جائے گا۔"

منگائی ٹھاہ کرنے کا منصوبہ ایسا تھا جس کے خلاف کوئی بھی صاحب عقل اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ اخبار والے اس منصوبے کی حمایت کر رہے تھے۔ عقل میں یہ بات آتی تھی کہ جو چیز منگی ہوتی جائے اسے سب لوگ استعمال کرنا ترک کر دیں تو دکاندار اسے بازار میں پھیلانے کے لئے عوام میں اس کی طلب بڑھانے کے لئے اس کی قیمت گراتے جائیں گے۔ یہ کاروبار کا اصول ہے۔

بے شک خسرو نے ایک نئے انداز کی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ یہ تحریک آئندہ تاریخی اہمیت اختیار کرنے والی تھی لیکن اس کے اندر شادی کی تحریک بہت زیادہ اہمیت اختیار کر رہی تھی۔ یوں تو اس نے نو برس تک کسی عورت کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی اور نو برس تک کسی عورت سے دور رہ سکتا تھا لیکن اب نو منٹ کے لئے بھی ثمینہ سے دور رہنا گوارا نہیں تھا لہٰذا نومبر کی تیس تاریخ کو شادی ہو گئی۔

یہ شادی اگرچہ بڑی آن بان اور شان سے ہوئی تھی۔ اعلیٰ طبقے کی خوشیوں کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ بہت ہی پُر تکلف دعوت کی گئی تھی لیکن اس دعوت سے اخبار والوں کو اور سیاسی لوگوں کو بے خبر رکھا گیا تھا۔ دوسرے دن دسمبر کی پہلی تاریخ کو اخبار کو یہ خبر پہنچائی گئی کہ اے' جی خسرو نے مس ثمینہ درانی کے ساتھ نہایت سادگی سے نکاح پڑھایا ہے۔

پہلی تاریخ کے اخبارات میں کچھ اور بھی تھا۔ شہر کے تمام قصائیوں نے اخبارات کے پورے صفحے پر' آدھے صفحے پر' پورے کالم پر' آدھے کالم پر طرح طرح کے اشتہارات شائع کرائے تھے مثلاً ایک سیر گوشت خریدنے والوں کو ایک کوپن دیا جائے گا۔ پندرہ دسمبر

اور اکتیس دسمبر کو ان کوپن کے نمبروں کی قرعہ اندازی ہوگی۔ اس قرعہ اندازی کے نتیجے میں پہلا انعام ایک کار' دوسرا انعام ایک موٹر سائیکل' تیسرا انعام ایک ٹی وی' چوتھا انعام کیسٹ ریکارڈر اور ریڈیو' اسی طرح کے مختلف انعامات کا لالچ دیا گیا تھا۔

بات صرف لالچ کی نہیں تھی گوشت کھانے کی بھی تھی۔ اب لوگوں کے سوچنے کا انداز یہ تھا کہ ایک تو گوشت بھی کھانے کو ملے گا دوسرے انعامات کی توقع رہے گی۔ کاروباری حضرات خوب جانتے ہیں کہ بچوں کو زیادہ سے زیادہ لالچ دیا جائے تو ان کے بڑے مہنگی سے مہنگی چیز خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لہٰذا انہوں نے صرف اخبارات میں ہی نہیں' ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے بھی اشتہارات کی یلغار کردی۔ اشتہارات کچھ یوں تھے کہ ایک سیر گوشت خریدنے پر خوبصورت اسٹکر دیئے جائیں گے دو سیر پانچ سیر' دس سیر تک گوشت خریدنے والوں کو خوبصورت کھلونے دیئے جائیں گے۔ یہ بچوں کے لئے ایسی کشش تھی کہ وہ اپنے بڑوں کو پریشان کرنے لگے۔

۴ تاریخ کے اخبارات میں کتنے ہی قصائیوں کی دکانوں کی تصویریں شائع کی گئیں جہاں گوشت ہی گوشت نظر آرہا تھا' گاہک نظر نہیں آرہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی اشتہارات کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے رضاکار دوکانوں سے دور گھوم رہے تھے اور لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ گوشت نہ خریدیں۔ ان کے علاوہ حکومت کی طرف سے پولیس والوں کی بھی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ کوئی دنگا فساد نہ ہوسکے۔ حکومت کی طرف سے عوام کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ رضاکاروں کو سمجھایا گیا تھا کہ وہ صرف سمجھا سکتے ہیں' انہیں جبراً خریداری سے روک نہیں سکتے۔ قصائیوں کو بھی سمجھایا گیا تاکہ وہ رضاکاروں سے جھگڑا نہ کریں۔ بہرحال وہ پہلا دن امن وامان سے گزر گیا۔

دوسری تاریخ کو اے' جی خسرو اور ثمینہ کی شادی کی خبر جلی حروف میں شائع کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ ۴ دسمبر کو دعوت ولیمہ ہے۔ ہر خاص و عام سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس دعوت میں شریک ہو کر اے' جی خسرو اور بیگم خسرو کو شکریہ کا موقع دیں اور یہ بھی مشاہدہ کریں کہ نکاح اور ولیمہ جیسی اہم تقریبات میں بھی کتنی سادگی سے دعوت دی جاسکتی ہے۔ اس دعوت میں صرف سبزی پلاؤ اور مچھلی کے

سالن کا اہتمام کیا گیا تھا۔

اے' جی خسرو اور مخالفین کے درمیان بڑا سخت مقابلہ تھا۔ ۵ تاریخ کے اخبارات میں ان خبروں نے دھوم مچادی کہ اے' جی خسرو نے گوشت کے بغیر ولیمے کی دعوت کی اور وہ دعوت نہایت شاندار رہی۔ لوگوں نے سبزی پلاؤ کو گوشت سے زیادہ پسند کیا۔ دوسری طرف انہی اخبارات میں چند تصاویر شائع کی گئیں۔ ان تصویروں میں چھوٹی عمر کے بچے دکانوں سے گوشت خریدتے نظر آرہے تھے۔ یقیناً وہ اسٹکر اور کھلونوں کے لالچ میں گوشت خرید رہے تھے۔ دوسری بات سمجھنے کی یہ تھی کہ بچے گوشت خریدنا کیا جانیں۔ بڑوں نے انہیں دکانوں پر بھیجا تھا تاکہ رضاکار ان پر اعتراض نہ کرسکیں۔

۶ تاریخ سے مخالف پارٹی کے لیڈروں نے بیانات دینے شروع کئے۔ بیانات کچھ یوں تھے کہ مہنگائی شاہ کی تحریک اچھی ہے لیکن بے وقت ہے۔ بقرعید کے بعد شادی بیاہ کی تقریبات کے لئے مسلمانوں کو صرف بیس دن ملتے ہیں۔ اس کے بعد محرم کا مہینہ شروع ہوجاتا ہے اور شادی کی تقریبات ایک طویل عرصے کے لئے رک جاتی ہیں۔ یہ تحریک محرم کے بعد چلائی جاتی تو بہتر ہوتا۔ اکثر لوگ گوشت کی پابندی پر عمل نہیں کریں گے۔

خود سیاسی پارٹی کے لیڈروں اور کارکنوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ شادی بیاہ کے موقع پر گوشت پلاؤ وغیرہ کی خوب دعوتیں کیں۔ اخبارات میں ان دعوتوں کی تصاویر شائع کرائیں کیونکہ انہیں کسی کا ڈر نہیں تھا۔ انہوں نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا۔ صدیوں کے رسم و رواج کے مطابق دعوتیں کی تھیں۔

سارے شہر میں طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ایک محلے میں ایک پڑوسن نے دوسری پڑوسن سے کہا۔ "بہن خدا کا شکر ہے۔ ادھر ایک ہفتے سے انہوں نے گوشت نہیں کھایا ہے تو دماغ میں گرمی بھی نہیں ہے۔ اب غصہ نہیں دکھاتے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔"

دوسری پڑوسن نے جل کر کہا۔ "اے' ایسا بھی کیا ہے کہ میاں ٹھنڈے ہی پڑ جائیں۔"

شراب خانوں میں گاہکوں کے سامنے ویٹر شراب پیش کرتے وقت یہ بات کانوں میں پھونک دیتے تھے۔ "اب کھلم کھلا گوشت کے کباب نہیں مل سکتے۔ ہم نے خفیہ طور پر

انتظامات کئے ہیں جو ایک پوا خریدے گا اسے ایک سیخ کباب ملے گا۔ ایک ادھے پر تین سیخ کباب مل سکتے ہیں اور ایک بوتل پر پانچ صد سیخ کباب خریدے جاسکتے ہیں۔ فی سیخ دو روپے کے حساب سے۔"

ہوٹلوں میں گاہکوں سے کہہ دیا جاتا تھا۔ "یہاں بیٹھ کر کھانا ہو تو طرح طرح کی سبزیوں کے سالن مل سکتے ہیں۔ گھر لے جانا ہو تو کسی بھی گوشت کا سالن پارسل کیا جاسکتا ہے۔"

ایک اخبار میں ایک کارٹون شائع کیا گیا۔ اس کارٹون میں دکھایا گیا تھا۔ ایک دبلے پتلے دولہا کی شادی ایک بہت ہی موٹی تگڑی دلہن سے ہو رہی تھی نیچے لکھا ہوا تھا "میاں صاحبزادے تمہارا نکاح تولے سے پڑھایا جارہا ہے قبول ہے؟"

ایک کارٹون میں دکھایا گیا تھا کہ میاں بیوی کا جھگڑا زوروں پر ہے۔ جھگڑے کے دوران بیوی نے اپنے میاں کے بازو کو دانتوں سے دبوچ لیا تھا۔ نیچے لکھا ہوا تھا۔ "پکا نہ سہی 'کچا ہی سہی۔"

اے 'جی خسرو مخالفتوں کا سامنا کررہا تھا۔ جگہ جگہ تقریریں کرتا تھا۔ لوگوں کو سمجھاتا تھا۔ اخبارات میں بیان شائع کراتا تھا اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کررہا تھا۔ ادھر ثمینہ نے سرکاری عہدیداروں کی بیگمات سے رابطہ قائم کرلیا تھا۔ ان کے ہاں تقریبات میں شریک ہونے لگی تھی۔ دونوں میاں بیوی تمام دن اپنی اپنی جگہ مصروف رہتے تھے۔ رات کو ایک جگہ ہوتے تو اپنی دن بھر کی مصروفیات کا ذکر کرتے۔ خسرو نے پوچھا۔ "یہ تمہیں کیا سوجھی ہے تم سرکاری افسران سے کیوں ملتی ہو؟ کیوں ان کے ہاں جاتی ہو؟"

"میں نئی راہیں کھول رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے جس راہ پر آپ چل رہے ہیں اس میں ناکامی ہو پھر ہمارا کیا ہوگا؟"

"ثمینہ! تم نے مجھے پریشان کردیا ہے۔ پتہ نہیں کیا سوچتی ہو اور کیا کرتی ہو اور جو کچھ بھی کرتی رہتی ہو وہ میرے اصولوں کے خلاف ہوتا ہے۔"

ثمینہ نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر بڑے پیار سے کہا۔ "اب آپ کے اصول کہاں رہے؟ بس ایک چیز رہ گئی ہے اور وہ میں ہوں۔"

دو ہفتے بعد یہ انکشاف ہوا کہ قصائیوں کی دکانوں پر گاہک نہیں آتے ہیں 'پھر بھی

شام سے پہلے سارا گوشت فروخت ہوجاتا ہے۔ مہنگائی ختم کی تحریک چلانے والے ان چور دروازوں کو بند نہیں کرسکتے تھے۔ جہاں سے گوشت فروخت ہوتا تھا۔ اگر انہیں بند کرنا چاہتے تو دنگے فساد کا اندیشہ تھا اور وہ بڑے ہی پُر امن طریقے سے تحریک جاری رکھنا چاہتے تھے۔

۲۵ دسمبر کی رات کو اے 'جی خسرو نے ثمینہ سے کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ یہ کوٹھی تمہارے والد نے مجھے نہیں دی ہے۔ جو کار میں استعمال کررہا ہوں وہ بھی تمہیں جہیز میں نہیں ملی ہے۔ اس کے پیچھے سیٹھ ستار بھائی اور غفار بھائی کا ہاتھ ہے۔"

"آپ کو شبہ کیوں ہو رہا ہے؟"

"اس دوران میں کئی بار تمہیں سیٹھ ستار بھائی اور کئی بار سیٹھ غفار بھائی کے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔ آج صبح جو چیک تم نے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرایا ہے وہ میری نظروں سے گزر چکا ہے' اب یہ نہ پوچھنا کہ میں نے کس طرح تمہارے اکاؤنٹ کو چیک کیا ہے لیکن وہ چیک سیٹھ غفار بھائی کا تھا۔"

"آپ اس حد تک جان گئے ہیں تو اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

وہ یک بیک غصے سے بستر پر بیٹھ گیا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ کہنے لگا "میں صرف تمہاری زبان سے تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ آج پتہ چلا کہ یہ کوٹھی' یہ کار' یہ عیش و آرام سب رشوت کی کمائی سے ہے۔ تم نے میرے کیریئر کو بالکل ہی تباہ کردیا ہے۔"

"آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ نہ تو آپ نے کسی کا احسان لیا ہے' نہ ہی کسی سے رشوت لی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ آج تک میں نے کسی سے اتنی نفرت نہیں کی جتنی تم سے ہورہی ہے۔ میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے جانے لگا۔ ثمینہ نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ایک بات سنتے جائیے۔ جو میں کر رہی ہوں۔ اس کے نتیجے میں بڑے بڑے دولت مند گھرانوں سے آپ کی چاروں بہنوں کے لئے رشتے آرہے ہیں۔"

خسرو نے جاتے جاتے یہ بات سنی لیکن وہاں رک نہ سکا۔ غصے سے تلملاتا ہوا کوٹھی سے باہر آگیا۔ باہر آکر اس نے پورچ میں کھڑی ہوئی کار کو دیکھا۔ وہ وہاں سے دور جانا

چاہتا تھا' لیکن وہ کار رشوت میں حاصل کی گئی تھی اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا وہ سوچتا ہوا احاطے کے مین گیٹ پر آیا۔ چوکیدار نے اس کے لئے گیٹ کو کھول دیا۔ وہ باہر نکل کر فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

اتنی بڑی دنیا میں اس کے لئے بہت سی جگہ تھی' بڑا بورڈ میں اس کا اپنا مکان تھا جہاں اب تالا لگا رہتا تھا۔ وہ وہاں جاکر رہ سکتا تھا لیکن اب اس کا معیار زندگی بدل گیا تھا۔ وہ نہ تو پیدل چل سکتا تھا نہ ہی معمولی مکان میں رہ کر بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات کر سکتا تھا۔

پھر اس کے دماغ میں ثمینہ کی وہ بات گونجنے لگی۔ میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں اس کے نتیجے میں بڑے بڑے دولت مند گھرانوں سے آپ کی چاروں بہنوں کے لئے رشتے آرہے ہیں۔

وہ حیرانی سے سوچنے لگا۔ ایسی کیا بات ہوگئی کہ یک بیک چاروں بہنوں کے لئے رشتے آنے لگے ہیں۔ بڑی بہن کی عمر ۲۶ برس تھی۔ اس سے چھوٹی چوبیس' اس سے چھوٹی بائیس اور سب سے چھوٹی اٹھارہ برس کی تھی۔ اب تک کوئی رشتے کے لئے ادھر بھٹکتا نہیں تھا۔ اب اس کی بہنوں میں کون سے ہیرے موتی جگمگا رہے تھے؟

اس میں شبہ نہیں ہے کہ رشوت لینے والے اکثر اپنی عورتوں سے مجبور ہو کر راشی بن جاتے ہیں۔ انہیں خوش رکھنے کے لئے یا ان کی ضد پوری کرنے کے لئے وہ ناجائز رقمیں حاصل کرتے ہیں لیکن وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیوں عورتوں کے اشارے پر ناچتے ہیں؟

ثمینہ جو کچھ کر رہی تھی اس کے گھر کی' اس کے خاندان کی بھلائی کے لئے کر رہی تھی۔ چاروں بہنوں کو سہاگن بنانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ ایک طرف اس نے اس کا کیریئر برباد کیا تھا' دوسری طرف اس کا گھر بڑی شان و شوکت سے آباد کر رہی تھی۔

وہ ٹہلتا ہوا پھر کوٹھی میں واپس آگیا۔ اپنی خواب گاہ میں پہنچا تو ثمینہ خوش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ غصے سے بولا "تم مجھے بدنام کردو گی۔ تمہیں اتنی عقل نہیں ہے کہ جو چیک تم نے سیٹھ غفار بھائی سے لے کر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کیا ہے اس کے ذریعے تمہیں راشی ثابت کیا جاسکتا ہے اور تمہارے ذریعے میں بدنام ہو سکتا ہوں۔ دنیا یہی کہے گی کہ تم

میرے اشاروں پر ایسا کر رہی ہو۔"

"آپ ناحق ناراض ہو رہے ہیں۔ میں اتنی نادان نہیں ہوں یہ جو کار ہمارے پورچ میں کھڑی ہے میں نے اسے ستر ہزار میں سیٹھ غفار بھائی کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ فروخت کے کاغذات میں اس چیک کا نمبر درج ہے۔ پھر رشوت لینے کے سلسلے میں کون ہمیں بدنام کر سکتا ہے؟"

اے' جی خسرو اسے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے غصے سے پوچھا۔ "تم یہ کیا چکر چلا رہی ہو۔ تم نے ثابت کردیا ہے کہ عورت مکار ہوتی ہے اور اپنے عیش و آرام کے لئے اپنے مرد کی عزت کو خاک میں ملا دیتی ہے۔"

"جس دن آپ کی عزت خاک میں ملے گی اس دن میں آپ سے پہلے خاک ہو جاؤں گی۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔"

"بس زیادہ مکالمے نہ بولو۔ یہاں سے چلی جاؤ۔ میں اپنے کمرے میں تمہارا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ گیٹ آؤٹ۔"

وہ چپ چاپ بستر سے اٹھی اور سر جھکا کر جانے لگی پھر وہ دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ اس نے پلٹ کر خسرو کی طرف دیکھا وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پلٹ کر دیکھا تو ثمینہ سر جھکائے دہلیز پر کھڑی ہوئی تھی۔ اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو ہونٹوں میں دبائے یوں نظر آرہی تھی جیسے شرمندگی سے کچھ سوچ رہی ہو۔

خسرو اس کے اس انداز کو دیکھ کر تڑپ گیا۔ پھر چیخ کر بولا۔ "تم یہاں سے جاتی ہو یا نہیں؟"

وہ چلی گئی۔ خسرو نے آگے بڑھ کر ایک زوردار آواز کے ساتھ دروازے کو بند کردیا۔ اس رات وہ سو نہ سکا۔ دوسرے دن اس نے سیٹھ ستار بھائی سے پوچھا۔ "آپ نے وہ کوٹھی ثمینہ کو کیسے دی؟"

"اے بابا! غصے سے کیوں بولتا ہے۔ وہ کوٹھی پانچ لاکھ روپے کا ہے۔ میں نے ایک لاکھ روپے میں اسے ثمینہ بائی کے ہاتھ بیچ دیا۔"

"لیکن وہ ایک لاکھ روپے بھی ثمینہ کے پاس کہاں سے آئے؟"

"ہمارے ملک میں کوئی نہیں پوچھتا کہ اس کے پاس روپیہ کدھر سے آتا ہے۔ انکم

ٹیکس والے بھائی لوگ کا بھی منہ بند ہو جاتا ہے۔ پھر تم کیوں پوچھتا ہے بابا! اس نے تو ایک لاکھ کیا ایک روپیہ بھی نہیں دیا۔ وہ تو کاغذ میں لکھنے کی بات ہے۔ تمہارا ثمینہ بائی تم سے زیادہ چالاک ہے۔ وہ تمہارے اوپر میں کوئی الزام نہیں آنے دے گا۔"

"تم نے ہماری وہ کار ستر ہزار روپے میں خرید لی ہے؟"

"سمجھ لو خرید لیا۔ مگر وہ کار تمہارے پاس میں رہے گا۔ دو دن کے بعد نئے ماڈل کا مرسڈیز کار تمہارے پاس آئے گا اور ہم وہ پرانی کار لے جائیں گے۔"

خسرو نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "یقیناً اس نئے ماڈل کی مرسڈیز کے کاغذات بھی ایسے ہی ہیرا پھیری سے تیار کئے گئے ہوں گے۔"

سیٹھ ستار بھائی نے کہا۔ "تم اپنا سیاست کو دیکھو۔ ثمینہ بائی کے سلسلے میں مت پڑو۔ تم اپنا کچھ نہیں کر سکتا۔ دوسروں کو تو کرنے دو۔"

خسرو نے کہا۔ "پانچ لاکھ روپے کی کوٹھی ہے۔ تقریباً ایک لاکھ روپے کی نئے ماڈل والی کار ہوگی۔ میری کوٹھی میں پچاس' ساٹھ ہزار روپے کے فرنیچر ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ثمینہ کافی نقد رقم آپ سے لے چکی ہے۔ آج ہی اس نے ستر ہزار روپے کا چیک جمع کیا ہے۔ آخر اتنی رقم جو آپ دے رہے ہیں تو کس بھروسے پر؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ ہماری پارٹی کامیاب ہوگی اور ہم برسراقتدار آکر موجودہ حکمرانوں کی طرح لوٹ کھسوٹ مچائیں گے اور خوب منافع حاصل کریں گے؟"

"بابا! ہم ادھر سیاست کرنے کو نہیں آیا ہے۔ تم سیاست کرو۔ ہم تجارت کرتے ہیں۔ تجارت سے تمہارا کوئی سروکار نہیں ہے جو لین دین ہو رہا ہے اس کو ثمینہ بائی پر چھوڑ دو اور اپنا کام کرتے رہو۔"

شام کو وہ گھر آیا۔ ثمینہ سے بات نہیں کی۔ اس سے ناراضگی ظاہر کرتا رہا۔ کھانے کے وقت میز کے اطراف گھر کے تمام افراد بیٹھ گئے۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے خسرو نے گوشت کے سالن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ گوشت کہاں سے آیا ہے؟"

ثمینہ نے کہا "ہم نے خریدا نہیں ہے۔ آپ کے پارٹی لیڈر جبار صاحب کے ہاں بچے کا عقیقہ تھا۔ وہاں سے یہ گوشت آیا ہے۔ کیا ہم عقیقے کا گوشت بھی قبول نہ کرتے؟"

وہ غصے سے بولا۔ "میں تم سے نہیں بول رہا ہوں۔" پھر اس نے اپنی والدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "امی! میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ میرے سامنے سے ہٹا دیجئے۔"

اس کی ماں نے گوشت کے سالن کی ڈش کو اس سے دور کر دیا۔ ثمینہ نے سبزی کی ڈش اس کے سامنے رکھ دی۔ خسرو نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ گوشت کا سالن بڑے مزے سے کھا رہی تھی۔ سالن میں ایک نلی ہاتھ آگئی۔ وہ اس نلی کو ہونٹوں کے درمیان رکھ کر چوسنے لگی۔ خسرو نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا۔ پھر کھانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا تو وہ سرخ ہو رہی تھی۔ اس نے غصے سے پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے؟"

وہ بولی۔ "میں کیا کر رہی ہوں؟ اس میں سے گودا نہیں نکل رہا ہے۔ کیا آپ نکالنا پسند کریں گے؟"

خسرو نے ایک گہری سانس لی۔ چپ چاپ سر جھکا کر کھانا چاہا مگر ایک لقمہ بھی منہ میں نہ ڈال سکا۔ اس نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا پھر اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی امی نے پوچھا۔ "کیا ہوا بیٹے! کھانا نہیں کھاؤ گے؟"

اس کے والد نے بھی کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ اگر بہو سے ناراض ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانا چھوڑ دو۔"

وہ کوئی جواب دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ثمینہ بھی کھانا چھوڑ کر اٹھ گئی۔ اپنے ساس سسر سے معذرت کرتے ہوئے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ساس نے کہا۔ "میرا بیٹا پہلی بار بہو سے ناراض دکھائی دیتا ہے۔"

چھوٹی بیٹی نے کہا۔ "امی! بھابی جان بہت چالاک ہیں۔ بہت اچھی ہیں۔ بھائی جان کو سیدھا کر کے رکھ دیا ہے۔"

کھانے کے بعد بڑی بی کچن میں آئیں۔ وہاں ایک ٹرے پر دودھ سے بھرا ہوا جگ اور دو گلاس رکھے۔ پھر اس ٹرے کو اٹھا کر بیٹے اور بہو کے دروازے پر پہنچیں۔ دروازہ بند تھا۔ اندر سے دونوں کے چہنے بولنے کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بڑی بی خوش ہو گئیں۔ وہاں سے پلٹ کر کچن میں آگئیں۔ اب بہو نئی نویلی تو نہیں تھی۔ خود ہی آکر دودھ لے جا سکتی تھی۔

دسمبر کے آخری ہفتے میں نتیجہ ظاہر ہو گیا۔ مہنگائی ختم کی تحریک بظاہر کامیاب ہوئی

تھی' بباطن ناکام رہی تھی۔ لوگوں کی اکثریت نے دکانوں سے گوشت نہیں خریدا تھا لیکن قصائیوں کی دکانوں سے گوشت بکتا رہا تھا۔ لوگ ۳۱ دسمبر کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ وہ تحریک کا آخری دن تھا۔ جنوری کی پہلی تاریخ سے پھر گوشت کھانے کی اجازت مل جاتی لیکن ۳۰ دسمبر کو شہر کے تمام قصائیوں نے اعلان کیا کہ جنوری کی پہلی تاریخ سے وہ غیر معینہ مدت کے لئے ہڑتال کریں گے۔ جب تک حکومت کی طرف سے گوشت کی قیمت میں دو روپے فی کلو اضافہ نہیں ہوگا۔ اس وقت تک ہڑتال جاری رہے گی۔

سارے شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ جنوری کی پہلی تاریخ سے گوشت بالکل نابود ہوگیا۔ پچھلے ایک ماہ تک گوشت دکانوں میں نظر آتا تھا اور لوگ بظاہر نہیں خریدتے تھے چور دروازوں سے گوشت مل جاتا تھا۔ وہ چور دروازے بھی بند ہوگئے تھے مویشیوں کی قیمت اچانک ہی آسمان سے باتیں کرنے لگی تھی۔ ایک دو آدمیوں کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ بکرا یا گائے خرید کر لاتے اور ہفتوں بیٹھ کر اسے کھاتے۔ کسی محلے سے بیس آدمی سو سو روپے چندے کے طور پر جمع کرتے تھے۔ پتہ چلتا تھا دو ہزار میں ایک مریل گائے آئے گی جس کا گوشت بیس آدمیوں میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ شاید ایک آدمی اپنے گھر والوں کے ساتھ تین وقت بھی گوشت جی بھر کر نہ کھا سکے۔

چار دن کی ہڑتال کے بعد ہی حکومت نے ان کا مطالبہ منظور کرلیا اور گوشت کی قیمت بڑھ گئی۔ لوگ گوشت کھانے کے لئے بے قرار تھے اس لئے دکانوں میں پہلے سے زیادہ میلہ لگ گیا۔ مہنگائی کی شکایت کچھ لوگوں نے دبی زبان سے کی لیکن منہ مانگی قیمت پر گوشت خرید کر کھانے لگے اور خوب کھانے لگے۔

اے جی خسرو نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کہا۔ "ثمینہ! یہ کیا ہوگیا۔ ساری تدبیریں الٹی ہوگئیں۔"

"آپ کے نقطۂ نظر سے شاید آپ ناکامی محسوس کر رہے ہیں لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے آپ بے حد کامیاب ہو رہے ہیں۔"

خسرو نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

"آپ کی چاروں بہنوں کے رشتے جہاں سے آئے ہیں ان میں سے ایک لڑکا آم کے باغات کا مالک ہے۔ ایک لڑکا کینو اور سنگترے کے باغات کا مالک ہے۔ آپ نے مربہ جام'

جیلی اور اچار بنانے والوں کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ وہ لوگ کتنے دولتمند ہیں۔ وہ اپنے صاحبزادوں کے لئے آپ کی بہنوں کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔"

"تعجب ہے۔ اتنے بڑے لوگ میرے گھر میں جھانک رہے ہیں۔ آخر ہم میں کیا سرخاب کے پر لگ گئے ہیں۔"

"کچھ نہیں' بس تجارتی انداز کی سودے بازی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ پھلوں کی مہنگائی کے خلاف تحریک چلائیں' اس طرح پھل کچھ اور مہنگے ہوں گے۔ جام' جیلی اور اچار وغیرہ کی بھی قیمتیں بڑھ جائیں گی۔"

خسرو نے حیرانی سے کہا۔ "اوہ خدایا! اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تحریک سیاسی طور پر ناکام رہی اور تجارتی طور پر بڑی ہی کامیاب ثابت ہو رہی ہے۔"

"اسی لئے میں کاروباری انداز میں اپنے لئے راہیں ہموار کرتی آرہی ہوں۔ یہ عقل مجھے سیٹھ ستار بھائی نے دی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

ثمینہ نے اطمینان سے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جس روز ہم پہلی بار اوپن ایئر ریستوران میں ملے تھے۔ اس سے پہلے دن کے وقت سیٹھ ستار بھائی دفتر میں مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے مجھے سمجھایا کہ کس طرح کاروباری انداز میں مجھ سے سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ آپ کے پارٹی لیڈر جبار صاحب مہنگائی شاہ کی تحریک کے خلاف تھے۔ سیٹھ ستار بھائی کو اندیشہ تھا کہ آپ یہ تحریک شروع نہیں کریں گے اور جبار صاحب سے متفق ہو کر اس کا پروگرام بدل دیں گے۔ اس طرح سیٹھ ستار بھائی اور غفار بھائی کو بڑا نقصان پہنچنے والا تھا۔"

خسرو نے پوچھا "ان دونوں کو کیا نقصان پہنچ سکتا تھا؟ اور اب کیا فائدہ پہنچا ہوگا؟"

"آپ تو جانتے ہیں کہ سیٹھ ستار بھائی اور سیٹھ غفار بھائی بناسپتی گھی کا کاروبار کرتے ہیں۔"

"ہاں' جانتا ہوں۔"

"تو پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ پورے ایک ماہ تک گوشت کی فروخت بظاہر بند رہی۔ حکومت کے سامنے یہی شکایت کی گئی کہ قصائیوں نے گوشت فروخت نہیں کیا۔

جانور ذبح نہیں کئے۔ جانوروں کی چربی آؤٹ آف مارکیٹ ہوگئی۔ چربی کے بغیر بناسپتی گھی تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے کاروبار میں اتنا خسارہ ہوا ہے کہ گھی کی قیمت بڑھائے بغیر اس خسارے کو پورا نہیں کیا جاسکتا آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ بناسپتی گھی کی قیمت میں بھی اضافہ ہوچکا ہے۔ ڈھائی کلو کا ایک چھوٹا ڈبہ جو اٹھارہ روپے میں ملتا تھا اب اس کی قیمت بائیس روپے ہوگئی ہے۔ سیٹھ ستار بھائی نے ہم پر زیادہ سے زیادہ سات یا ساڑھے سات لاکھ روپے خرچ کئے ہیں' اور اب ستر لاکھ روپے کمارہے ہوں گے۔"

"او مائی گاڈ! میں نے ادھر دھیان نہیں دیا تھا کہ مویشیوں کا تعلق بناسپتی گھی سے ہوتا ہے۔ اگر ذرا بھی دھیان دیتا تو ان کی چال سمجھ میں آجاتی لیکن اب میرے سیاسی کیریئر کا کیا ہوگا؟"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ آپ ناکام ہوں گے تو میرے ذریعے کامیابی حاصل ہوگی اور اگر مہنگائی شاہ کی تحریک میں کامیاب ہوجاتے تو یوں بھی آپ کا سیاسی کیریئر بلند ہوجاتا' آپ پر آنچ بھی نہ آتی۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ نے ستار بھائی سے رشوت لی ہے۔ میں نے اپنے لین دین کے پیچھے کوئی کمزوری نہیں چھوڑی ہے۔"

"اور اب تم چاہتی ہو کہ میں جام' جیلی اور اچار والوں سے رشوت کروں۔ آئندہ پھلوں کی مہنگائی کے خلاف تحریک چلاؤں۔ لوگ اتنے نادان نہیں ہیں۔ وہ اب میرا ساتھ نہیں دیں گے۔"

"دیکھئے' گوشت کی تحریک کا تعلق امیر اور غریب سب سے تھا۔ غریبوں نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا لیکن پھلوں اور جام' جیلی وغیرہ کا تعلق امیر طبقے سے ہے۔ غریبوں کا تعلق صرف اچار اور چٹنی سے ہے۔ اس بار امیر طبقے کے لوگ آپ کی تحریک میں ساتھ رہیں گے۔"

"دولت مند بھی ساتھ نہیں رہیں گے۔ وہ لوگ مہنگی سے مہنگی چیزیں خرید لیتے ہیں۔"

"آپ میری بات پوری طرح سن لیجئے۔ بے شک امیر طبقے کے لوگ آپ کا بھرپور ساتھ نہیں دیں گے۔ آپ کو تو بس تحریک کا اعلان کرنا چاہئے۔ باقی پھل والے اور جام

جیلی بنانے والے خود ہی آپ کا ساتھ دیں گے۔ حکومت کے سامنے ظاہر کریں گے کہ بازار میں ان کی چیزوں کے خریدار نہیں ہیں۔ اے' جی خسرو کی تحریک کامیاب جاری ہے۔ اس کے بعد آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ کس طرح حکومت کے سامنے اپنے نقصانات کی فہرست پیش کریں گے اور اپنی مصنوعات کی قیمتیں بڑھائیں گے۔"

"اس طرح تو میں سیاست سے بالکل ہی واش آؤٹ ہوجاؤں گا۔"

"میں یہ نہیں چاہتی۔ میں نے ایک راستہ اور بھی بنا رکھا ہے اور وہ ہے موجودہ حکومت سے سمجھوتہ۔ بڑے بڑے عہدیداروں سے میری دوستی ہوچکی ہے۔ وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں' اور آپ کو ایک بہت بڑا سرکاری عہدہ دینا چاہتے ہیں اس طرح آپ موجودہ سرکار کی طرف سے سیاست میں حصہ لیتے رہیں گے۔ اور ہمارا یہ موجودہ معیارِ زندگی بھی برقرار رہے گا بلکہ معیار بڑھتا ہی جائے گا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ مجھے اچانک ہی اتنا بڑا سرکاری عہدہ کیسے مل جائے گا اور کیوں ملے گا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "مہنگائی شاہ کی تحریک نے حکومت کو بھی خاصا پریشان کیا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ بجٹ کا اعلان ہونے سے کچھ پہلے مہنگائی بڑھتی ہے لیکن ابھی بجٹ کے اعلان کو چھ ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ اس سے پہلے ہی آپ کی تحریک سے مہنگائی بڑھ گئی۔ آپ نے دوسری تحریک چلائی تو مہنگائی پھر بڑھے گی۔ لوگ حکومت کے خلاف نعرے لگائیں گے۔ دوسری سیاسی پارٹیاں اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گی۔ اس لئے حکومت الیکشن سے پہلے آپ جیسے لوگوں سے سمجھوتہ کررہی ہے۔ اسی سمجھوتے کے نتیجے میں آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق بہت بڑا عہدہ دیا جائے گا اور ہمیں اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔"

خسرو تھوڑی دیر تک شمینہ کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "آج تم نے یہ ثابت کردیا ہے' مرد مشرق کی طرف جانا چاہتا ہے' عورت اسے مغرب کی طرف لے جاتی ہے۔ مہنگائی شاہ کی ناکامی کی وجہ تم اور صرف تم ہو۔"

"آپ لوگ عورت کو الزامات دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے مگر حقیقت کو تسلیم کرنے کی توفیق ہو تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ "پردے میں رہنے دو" سے مہنگائی

شروع ہوتی ہے اور جلوہ نمائی کی انتہا تک پہنچ کر اس منگائی سے نکاح قبول ہوتا ہے۔"

اے' جی خسرو نے اسے نظر بھر کر دیکھا' تب انکشاف ہوا کہ نظر نہیں بھرتی۔ جلوہ پیاس بڑھانے کے لئے ہوتا ہے۔

☆======ختم شد======☆

حالات

ان لوگوں کی کہانی جن کے پیروں میں حالات کی زنجیریں لپٹ جاتی ہیں۔

وہ عورتیں اپنی اپنی کوکھ میں ایک ہی مرد کا بچہ لئے ہوئے تھیں۔ پتہ نہیں مرد کس کی طرف جھکنے والا تھا۔

اس عورت کی عبرتناک کہانی جس کی سہاگ رات اعمال کی حساب رات بن گئی تھی۔

ایک کنواری ماں کا قصہ جسے اپنے ہونے والے بچے کیلئے ایک باپ کی ضرورت تھی۔

وہ بچہ تہذیب کے منہ پر بچی کالک تھا جو کسی کے منہ پر لگی جھوٹی کالک دھو رہا تھا۔

پریتی بالا یوں تو کچھ زیادہ حسین نہیں تھی مگر نشہ کی طرح آہستہ آہستہ دل و دماغ کو متاثر کرتی تھی۔ پہلی ملاقات میں اپنی شخصیت کا "پیش لفظ" چھوڑ جاتی تھی۔ بعد میں تحریک پیدا ہوتی تھی کہ پوری کتاب پڑھنا چاہئے۔

وہ وکالت کر رہی تھی ایک مقدمہ کے دوران اس سے ایک ایسی غلطی ہو گئی جس سے قانون کے احترام کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ شاید اس سے وکالت کے حقوق چھین لئے جاتے لیکن.......... کلکتہ بار کی ایک بہت ہی اہم اور معزز شخصیت بنجے مکرجی نے اس کی طرف سے وکالت کی اور یہ ثابت کر دیا کہ پریتی بالا نے اپنے موکل کی مدافعت میں دانستہ قانون کو ملامت نہیں کی تھی۔ وہ ایک جذباتی اور بے اختیاری بات تھی جو زبان سے نکل گئی تھی جس کے لئے پریتی بالا معافی کی طلبگار ہے۔

پریتی بالا کی غلطی معاف کر دی گئی تھی۔ اس کیس کے دوران بنجے مکرجی نے اس سے مختصر سی ملاقات کی تھی۔ پریتی بالا کو اوپر سے پیش لفظ کی طرح پڑھا تھا۔ بعد میں شام کو وہ اپنی عادت کے مطابق وہسکی کی بوتل کھول کر بیٹھا تھا تو وہ یاد آنے لگی۔

اسے تعجب ہوا کہ پہلے اس میں یاد آنے والی خوبیاں نظر کیوں نہ آئیں۔ وہ کسی بات پر بڑی کنجوسی سے مسکراتی تھی۔ جیسے یونہی مسکراہٹ کی بھیک دے رہی ہو۔ اب حسن کی وہ سخاوت جیسے کسی خلا کو پُر کر رہی تھی۔ وہ بہت دھیمے سُروں میں بولتی تھی۔ اب وہ سُر دل کے تاروں کو چھیڑ رہے تھے۔ وہ پیگ کے بعد یاد آیا کہ وہ حسین ہی نہیں پُرشباب بھی تھی اور اس کا شباب بڑا ہی ٹیسیں پہنچانے والا تھا۔ سیاسی حلقوں میں بنجے مکرجی بہت اونچی شخصیت کا مالک تھا۔ آئندہ انتخابات میں حصہ لینے والا تھا۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ ایک عام آدمی کی طرح عاشق بن کر پریتی بالا میں دلچسپی نہیں لے سکتا تھا۔

ان دنوں پریتی بالا کی وکالت برائے نام چل رہی تھی۔ اس کے پاس ایسے غریب

موکل آتے تھے جو منہ مانگی فیس ادا نہیں کر سکتے تھے کبھی سوناگاچھی کی طوائفیں اپنے کسی کیس میں اس کے پاس ضمانت کے لئے آتی تھیں۔ کبھی کوئی خون خرابے والا کیس آتا تھا لیکن پولیس والے اوپر ہی اوپر فریقین سے اچھی خاصی رقم لے کر اس کیس کو عدالت تک پہنچنے سے پہلے ہی دبا دیتے تھے۔ پریتی کی ہونے والی آمدنی ایک جھٹکے سے ختم ہو جاتی تھی۔ وہ حیرانی سے سوچتی تھی کہ دوسرے وکلا کو دولت مند موکل کیسے مل جاتے ہیں جو تھانے میں سمجھوتہ نہیں کرتے' اپنا مقدمہ عدالت میں لڑتے ہیں اور اپنے وکلا کی مستقل آمدنی کا ذریعہ بنے رہتے ہیں۔

پریتی بالا کی یہ حیرانی رفتہ رفتہ دور ہونے لگی۔ اس کے پاس اچانک ہی جانے کیسے دولت مند موکل آنے لگے۔ وہ خوش لباس ہوتے تھے اور کاروں میں آتے تھے۔ ان کے پاس بڑی بڑی جائیداد اور بڑی بڑی کمپنیوں کے شیئرز کے معاملات تصفیہ طلب ہوتے تھے اور وہ اپنے معاملات کو نمٹانے کے لئے پریتی کو منہ مانگا معاوضہ دیتے تھے۔

وہ اپنے دولت مند موکلوں سے کبھی کبھی دریافت کرتی تھی۔ "آپ نے میرا نام کہاں سے سنا تھا؟ آپ کو میرا پتہ کیسے معلوم ہوا؟ آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ میں آپ کا کام بحسن و خوبی انجام دے سکوں گی؟"

اس کے موکل جواب دیتے تھے۔ کوئی کہتا۔ "میں نے آپ کے متعلق پڑھا تھا۔" کوئی سوچنے کے انداز میں بولتا "میں نے کسی تقریب میں آپ کا ذکر سنا تھا۔" آخر ایک موکل کی زبان سے سچی بات نکل گئی۔ وہ روانی میں کہہ گیا۔ "مجھے آپ کے پاس آنے کا مشورہ بنجے صاحب نے دیا ہے۔"

"بنجے صاحب؟" پریتی نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "کیا بنجے مکرجی صاحب؟"

اس موکل نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "جی۔ جی ہاں۔ مگر انہوں نے کہا تھا کہ میں آپ کے سامنے ان کا ذکر نہ کروں۔ آپ اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔"

بات ختم کیسے ہوتی؟ ابھی تو ابتدا ہوئی تھی۔ پریتی کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنا دولت مند اتنی اونچی سیاسی شخصیت کا مالک اس پر احسانات کیوں کر رہا ہے؟ چپ چاپ اس کی آمدنی میں اضافہ کیوں کرتا جا رہا ہے؟ اگر یہ مہربانی اس لئے ہے کہ وہ جوان دوشیزہ ہے تو اس نے پھر کبھی ملاقات نہیں کی۔ کسی بہانے.......... رابطہ

قائم نہیں کیا۔ اس کے برعکس وہ خود کو چھپا رہا تھا۔ کسی مؤکل کی زبان سے بھی اپنی مہربانی کا بھید نہیں کھولنا چاہتا تھا۔

مکرجی صاحب کے اسی انداز نے بے حد متاثر کیا۔ اب پریتی کا فرض تھا کہ ان کا شکریہ ادا کرتی۔ وہ سوچنے لگی کس طرح شکریہ ادا کرے۔ اتنے معروف آدمی سے شاید فون پر ہی دو چار باتیں ہو سکتی تھیں۔ وہ شکریہ کے لئے دو چار فقرے تراشنے لگی۔ دل ہی دل میں ان فقروں کو ادا کرنے کی ریہرسل کرنے لگی۔ وہ اپنے مؤکلوں کی حمایت میں جج صاحبان کے آگے بے تکان بولتی تھی۔ کبھی کسی کے عہدے اور شخصیت سے متاثر نہیں ہوتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ جج مکرجی سے فون پر کچھ بولتے وقت خود کو بہت چھوٹا، بہت کمتر محسوس کر رہی تھی۔

اچھی طرح ریہرسل کرنے کے بعد اس نے جج مکرجی کے نمبروں پر فون کیا۔ دوسری طرف سے اس کے سیکریٹری نے جواب دیا۔ "مکرجی صاحب تین ماہ کے لئے یورپ کے دورے پر گئے ہیں۔"

جانے کیوں پریتی کو ایسا لگا جیسے جج کے چلے جانے سے وہ کچھ ہار گئی ہے۔ یہ عجیب سا احساس تھا۔ جبکہ جج سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس نے تین ماہ تک بڑی بے صبری سے انتظار کیا جس طرح گلے میں ہڈی اٹک جاتی ہے، اسی طرح شکریہ کے بول اٹکے ہوئے تھے۔ انتظار کی مدت ختم ہونے کے بعد اس نے پھر فون کیا۔ جواب ملا۔ "مکرجی صاحب جنوبی امریکہ میں ہیں۔ اگلے ماہ تک واپس آئیں گے۔"

اس بار اس نے مایوس ہو کر سوچا۔ "آخر ایسی بے صبری بھی کیا؟ اب میں اسے فون نہیں کروں گی۔ کبھی اخبارات کے ذریعے پتہ چلے گا کہ وہ شہر میں موجود ہیں تو پھر دیکھا جائے گا۔"

یہ فیصلہ کرنے کے باوجود وہ جج کو نہ بھلا سکی۔ اسے پتہ چلا کہ وہ چار ماہ سے شکریہ ادا کرنے کے لئے اپنے من مندر میں اس کے نام کی مالا جپ رہی ہے۔ یعنی شکریہ کے رسمی تکلف سے آگے نکل گئی ہے۔ اس نے اپنے دل کو سمجھایا۔ "یہ اچھی بات نہیں ہے۔ کیا میں اتنے بڑے آدمی کی دلہن بننے کے خواب دیکھ رہی ہوں؟ نہیں۔ وہ یقیناً شادی شدہ ہوں گے اور ان کے کئی بچے ہوں گے۔"

اس کے دل نے ضد کی۔ "اگر بیوی بچے ہوتے تو کبھی نہ کبھی اخبارات میں ان کا ذکر ہوتا۔"

اس نے پھر دل کو سمجھایا۔ "سیاست میں حصہ لینے والے اپنے گھریلو معاملات کو اخبارات تک پہنچنے نہیں دیتے۔ مکرجی صاحب نے بھی یہی کیا ہوگا۔ نہیں، میرا دماغ چل گیا ہے۔ مکرجی صاحب نے ایک مہربانی کی ہے تو میں پاگل پن سے دیکھنے لگی ہوں۔ بس اب ایک بار رسمی طور پر شکریہ ادا کر کے سب کچھ بھول جانا چاہئے۔"

مگر وہ شکریہ ادا ہونے نہیں پا رہا تھا۔ جج مکرجی یورپ اور امریکہ سے واپس آ کر مدھیہ پردیش، اڑیسہ اور مدراس کا دورہ کر رہا تھا۔ یعنی جتنے عرصہ تک دور رہا تھا۔ اتنا ہی اس کے دل میں گھستا جا رہا تھا۔ انہی دنوں پریتی ایک قتل کے مقدمہ میں مصروف ہوگئی۔ اس مقدمہ نے پریتی بالا کا نام اخبارات کے پہلے صفحے پر شہ سرخیوں کے ساتھ پہنچایا۔

قتل کی واردات جیل خانہ کے اندر ہوئی تھی۔ ایک قیدی نے دوسرے قیدی کو قتل کر دیا تھا۔ وہ قیدی جو قاتل تھا، وہ اب پریتی کا مؤکل تھا۔ اسے بے گناہ ثابت کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ سرکاری وکیل اسے پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ پریتی نے نہایت ذہانت سے یہ ثابت کیا کہ قاتل قیدی شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ جیل کے ریکارڈ نے بتایا کہ اس سے شریف اور معزز لوگ ملنے آتے تھے۔ جبکہ مقتول قیدی سے غنڈے اور بدمعاش صرف ملنے ہی نہیں آتے تھے بلکہ اس کے لئے چرس وغیرہ بھی لاتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں نے مقتول کے پاس وہ چاقو پہنچایا تھا۔ لڑائی جھگڑے کے دوران وہ چاقو پریتی کے مؤکل کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے اپنی حفاظت کی خاطر مقتول کو زخمی کیا۔ قتل کا ارادہ ہرگز نہ تھا۔ وہ زخمی ہسپتال پہنچائے جانے تک مر گیا تھا۔

جیوری قائل ہوگئی کہ پریتی کا مؤکل جیل کی سلاخوں کے پیچھے مجبور تھا۔ اس نے اپنی حفاظت کی خاطر اپنے مقابل کو بلکہ حملہ آور کو محض زخمی کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ بہرحال اس نے اپنے مؤکل کو سزائے موت سے بچا لیا۔ اخبارات نے پریتی بالا کے اس کارنامے کا بڑا چرچا کیا اور پریتی کو اس کا انعام یہ ملا

کہ اسی شام سنجے مکرجی نے اسے فون پر مخاطب کیا۔ "ہیلو میں نے سوچا کہ اتنی زبردست کامیابی پر تمہیں مبارک باد دوں۔"

پریتی کے دل کی دھڑکنیں یک بارگی تیز ہو گئیں۔ اسے یقین کی حد تک شبہ ہوا کہ وہ سنجے مکرجی کی آواز ہے۔ کیونکہ وہ اس آواز کو چھ ماہ سے اپنے اندر سنتی آ رہی تھی۔ اس کی خاموشی پر دوسری طرف سے سنجے نے کہا "میں بھی عجیب ہوں۔ پہلے مجھے اپنا نام بتانا چاہئے تھا۔ میرا نام.........."

وہ بے اختیار بول پڑی۔ "میں جانتی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ پریشان ہو گئی کہ اس نے ایسا کیوں کہا؟ کیا ایسا کہنے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ چھپتا رہا اور وہ.......... جاننے پہچاننے کی حد تک سوچ کی نگری میں اسے تلاش کرتی رہی۔ یہ ٹھیک ہے کہ عورت کسی کو جی جان سے چاہے۔ مگر یہ بھید نہ کھولے کہ چاہت میں اس نے پہل کی ہے۔

سنجے نے کہا "میں اخبارات میں پوری تفصیل پڑھتا رہا ہوں جس انداز سے تم اس مقدمہ کو ہینڈل کر رہی تھیں' اس سے میں نے سمجھ لیا تھا کہ جیت تمہارا مقدر بنے گی۔"

"شکریہ۔ یہ سب آپ کی ہمت افزائی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ آگے کیا کہے' سمجھ میں نہ آیا۔ یوں دیکھا جائے تو بات ختم ہو چکی تھی۔ اس نے مبارک باد دی تھی۔ اس نے شکریہ ادا کیا تھا' اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوچا۔ کیا وہ ریسیور رکھ دے گا؟ کیا اور کچھ کہنے کے لئے اس کے دل میں کوئی بات نہ ہو گی؟

پھر اس نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ "کیا تم کبھی میرے ساتھ رات کا کھانا پسند کرو گی؟"

پریتی نے گھڑی دیکھی۔ چھ بجے تھے۔ دو گھنٹے بعد رات کے کھانے کا وقت شروع ہو جاتا۔ کیا دو گھنٹے بعد وہ اس کے سامنے بیٹھی ہو گی۔ اس نے کہا "جی۔ جی ہاں۔ یہ آپ کی عزت افزائی ہو گی۔"

"تم بہت ہی تکلفانہ الفاظ استعمال کر رہی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ ڈنر کے وقت ہم بڑے چھوٹے نہ ہوں۔ تو بی ویری فرینک میں دوستانہ ماحول چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے؟"

وہ "جی۔" کہہ کر رہ گئی۔ سنجے نے پوچھا۔ "ڈنر کے لئے ہفتہ کی رات کیسی رہے گی؟"

اس کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ ہفتہ میں.......... ابھی دو دن باقی تھے۔ یہ دو دن کیسے گزریں گے؟ وہ آہستگی سے بولی۔ "ٹھیک ہے۔"

"کیا میں تمہارے گھر سے تمہیں لے چلوں؟"

اس نے سوچا۔ میرا چھوٹا سا کاٹیج ایسا نہیں ہے کہ سنجے جیسا بڑا آدمی وہاں آئے۔ مجھے سبکی محسوس ہو گی۔

وہ جلدی سے بولی۔ "آپ کو زحمت ہو گی۔ مجھے جگہ بتا دیں' میں پہنچ جاؤں گی۔"

"کیا تم کمل ریسٹورنٹ کا کھانا پسند کرو گی؟"

"وہاں کا کھانا چکھنے کے بعد ہی پسند کر سکتی ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ٹھیک آٹھ بجے۔"

"میں وقت پر پہنچ جاؤں گی۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ پریتی اپنے ریسیور کے ساتھ یوں گم صم بیٹھی رہی جیسے سنجے کا ہاتھ تھامے کہیں دور پہنچ گئی ہو۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ "یہ سنجے کے ساتھ مضحکہ خیز دلچسپی ہے۔ وہ یقیناً بیوی والا ہو گا اور اس کے کم از کم درجن بھر بچے ہوں گے۔"

اس کے معاون کرم چند نے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ "ماسٹر بانرجی کے سلسلہ میں کیا خیال ہے؟"

پریتی نے خیالات سے چونک کر ریسیور.......... کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر کہا۔ "کرم چند! ایک شخص کے متعلق تحقیقات کرو۔ اس کا نام سنجے مکرجی ہے۔"

اس نے کہا "اس کے متعلق بھلا کیا معلوم کرنا ہے۔ آپ اخبارات میں پڑھ لیا کریں۔ ساری معلومات حاصل ہو جائیں گی۔"

"تم کیا جانتے ہو؟"

"میری معلومات کے مطابق وہ خاندانی رئیس ہے۔ فولاد کے ایک کارخانے کا مالک ہے۔ بہت بڑا وکیل اور سیاست داں ہے۔ اس نے بنگال لاء اسکول قائم کیا ہے۔"

پریتی نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "اور کیا جانتے ہو؟"

"اور یہ کہ آئندہ بھارتی سینٹ کے لئے امیدوار ہوگا سیاسی حلقوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ اسے حکمراں پارٹی کی حمایت حاصل ہے۔"

پریتی نے دل میں کہا۔ یقیناً وہ حکمراں پارٹی اور عوام میں یکساں مقبول ہے۔ بھگوان سے میری پرارتھنا ہے اسے کامیابی ہوگی۔

پھر اس نے کرم چند سے اپنے دل کی بات پوچھی۔ "اس کی ذاتی یعنی کہ گھریلو زندگی کیسی ہے؟"

"کسی کی گھریلو زندگی میں جھانکنا ذرا مشکل ہے۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ اس کی ایک بیوی ہے۔ بچے نہیں ہیں۔"

پریتی کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کے چہرے سے ڈوبنے کا صدمہ صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

کرم چند نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"آں۔ کچھ نہیں۔ بس تم جاؤ۔"

کرم چند کے جانے کے بعد وہ بڑی دیر تک سوچتی رہی۔ "کیا جج نے محض رسما کھانے کی دعوت دی ہے؟ وہ مجھے مبارک باد دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے فون پر یہ رسم ادا کردی ہے۔ پھر دعوت کا مقصد کیا ہے؟ کیا مل بیٹھنے کا بہانہ ہے؟"

وہ بڑے اضطراب میں مبتلا ہوگئی تھی۔ "میں نے کئی ماہ پہلے انہیں ایک ہی بار دیکھا ہے۔ اب دوسری بار دیکھوں گی۔ کیا وہ مجھے بتائیں گے کہ ان کی شادی ہو چکی ہے؟ ان کا فرض ہے کہ وہ مجھے بتائیں لیکن اکثر مرد کسی جوان لڑکی کے سامنے اپنی بیوی کا ذکر آنے نہیں دیتے۔ کچھ بھی ہو۔ مجھے ہفتہ کی رات وعدہ کے مطابق ملاقات کرنا ہے اور یہ ملاقات آخری ہوگی۔"

ہفتہ کا دن بہت دور لگ رہا تھا۔ جیسے وہ ملاقات کی شام سو سال بعد آنے والی ہو۔ کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ کسی مقدمہ پر توجہ دینا چاہتی تو جج سامنے آکر بیٹھ جاتا اور وہ ساری دنیا کو بھول جاتی۔ اس کی حالت بڑی مضحکہ خیز تھی۔ یہ دیوانگی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ ایک ہی بار اسے دیکھا تھا اور بار بار اسے ذہن سے نکالنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

اس نے اپنی اس دیوانگی کا تجزیہ کیا۔ پہلے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جج کمی نے ایک بار اسے قانون کی نظروں سے گرنے سے بچایا تھا۔ اس لئے وہ احسان مند ہے۔ پھر جج اس کے پاس دولت مند مؤکل بھیجتا رہا تھا۔ مزید احسانات کرتا رہا تھا۔ بڑی خاموشی سے اس کے کام آرہا تھا۔ اس لئے وہ بے حد متاثر ہوگئی تھی لیکن احسان مند ہونا اور بات ہے اور متاثر ہونا اور بات ہے اور اس کے دل میں کچھ اور ہو رہا تھا' جسے وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ اس کے اندر کچھ ایسے جذبے انگڑائی لے رہے تھے۔ جو پہلے کہیں خوابیدہ تھے۔ اس نے کبھی کسی کی ذات میں کشش محسوس نہیں کی تھی۔ اتنی بڑی دنیا میں وہی ایک مرد تھا جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

آخر ہفتہ کی وہ طلسماتی رات آگئی۔ وہ صبح سے گھبرائی گھبرائی سی تھی۔ ایک کپ چائے پی کر شاپنگ کے لئے گھر سے نکل گئی تھی۔ اپنے سنگار کے لئے کچھ خریدنے کا ارادہ تھا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا خریدے؟ اور کس انداز میں سنگار کرے؟ وہ دوپہر سے پہلے گھر واپس آگئی۔ ڈر تھا کہ دھوپ میں گھومنے سے اس کی گوری رنگت جل جائے گی۔ چار بجے تک وہ جج سے خیالی گفتگو میں مصروف رہی اور اچھے اچھے فقرے یاد کرتی رہی۔ پھر اس نے باتھنگ ٹب میں صابن کا جھاگ بنایا۔ اس میں روز اور جسمین کی خوشبو ملائی۔ پھر اس جھاگ میں گردن تک ڈوب کر بیٹھ گئی۔

ایک گھنٹہ بعد جب وہ غسل خانہ سے باہر آئی تو اس کے بدن سے مدہوش کردینے والی خوشبو انگڑائیاں لے رہی تھی۔ اس نے بلاؤز اور پیٹی کوٹ پہننے کے بعد دو آئینوں کے درمیان بیٹھ کر کنول کی صورت میں بالوں کا بڑا سا جوڑا باندھا پھر ہلکے گلابی رنگ کی سنہری باڈر والی ساڑھی پہنی اور ایسے عمدہ سلیقے سے پہنی کہ خوبصورت بدن اپنے پیچ کے ساتھ نمایاں ہوگیا۔ جوڑے میں اس نے سفید پھولوں کی وینی سجائی۔ سفید امیٹیشن پھولوں کی بڑی بڑی بالیاں کانوں میں پہنیں۔ گلے میں ہار' ہاتھوں میں کنگن اور چوڑیاں' ہونٹوں پر لالی' آنکھوں میں کاجل اور ماتھے پر سونے کی بندیا لگائی۔ آگے پیچھے دونوں آئینے اس کے جلووں سے بھر گئے تھے۔ اس کے ہار سنگار سے جگمگا رہے تھے۔ اسے اپنے حسن کی چکا چوند سے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ خود کو کہاں کہاں سے دیکھے؟ جہاں جہاں سے بھی دیکھے تشنگی رہ جائے گی اور حسن کی بقا اسی میں ہے کہ دیکھنے والی آنکھوں کی پیاس کبھی نہ

بجے۔

وہ ٹھیک آٹھ بجے کمل ریسٹورنٹ پہنچ گئی۔ حالانکہ حسن کی شان یہ ہوتی ہے کہ وقت کی پابندی نہ کرے۔ تھوڑا انتظار کرائے' تھوڑا تڑپائے۔ پھر دیدار کرائے مگر وہ دل سے مجبور تھی۔ ادھر سنجے مکرجی سے بھی نہ رہا گیا تھا۔ اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کے سامنے میز پر وائن کا ایک بھرا ہوا گلاس رکھا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اخلاقاً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پریتی نے شرماتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا پھر وہ میز کے اطراف ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔

سنجے مکرجی نے کہا۔ "میں کھانے سے پہلے پینے کا عادی ہوں۔ اس لئے آدھ گھنٹہ پہلے آگیا۔ اگر میرا پینا ناگوار گزرے تو تم اعتراض کر سکتی ہو۔"

وہ آہستگی سے بولی۔ "مجھے اعتراض نہیں ہے۔"

"شکریہ' میں سمجھ رہا تھا' تم قانون کے خشک ماحول میں رہتی ہو لہٰذا خشک مزاج ہو گی لیکن تمہارا لباس اور تمہارا سنگار دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری تعریف کیسے کروں؟"

وہ نظریں جھکا کر مسکرانے لگی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ بہت کم بولے گی اور اسے زیادہ بولنے کا موقع دیتی رہے گی۔ کیونکہ زیادہ بولنے والے روانی میں چھپانے والی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں ویسے وہ بڑی مزے دار باتیں کرتا تھا۔ پریتی بے اختیار مسکرانے لگتی تھی۔ اس نے ایک آدھ بار ایسے لطیفے سنائے تھے کہ وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگی تھی۔ میز پر کھانا لگنے تک اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ ان کے درمیان ذرا بھی اجنبیت نہیں رہی تھی اور وہ سنجے مکرجی کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے ہنس بول رہی تھی۔

لیکن ایک بات کھٹک رہی تھی۔ سنجے برابر لگاوٹ کی باتیں کر رہا تھا لیکن یہ بات چھپا رہا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے۔ مرد بڑے مکار ہوتے ہیں۔ ہر نئی لڑکی کے سامنے کنوارے بنتے پھرتے ہیں' سنجے کی ہر بات اچھی لگ رہی تھی۔ اس کی شخصیت تو حواس پر چھا گئی تھی لیکن اپنی بیوی کو راز بنا کر دھوکا دینے والی بات ایسی تھی کہ پریتی کا دل ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ بس یہ آخری ملاقات ہے۔

کھانے کے دوران سنجے نے پوچھا۔ "چپ کیوں ہو؟ معلوم ہوتا ہے سنجیدگی سے

کچھ سوچ رہی ہو۔"

وہ جبراً مسکرا کر بولی۔ "میں سوچ رہی ہوں کہ آپ نے اتنے احسانات مجھ پر کیوں کئے؟ آپ کی سفارش سے بڑے بڑے دولتمند مؤکل میرے پاس آنے لگے ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں۔ تمہارے پاس کوٹھی ہو' کار ہو' بہت سا بینک بیلنس ہو۔ تمہارا مقام اتنا بلند ہو کہ لوگ تمہیں سر اٹھا کر دیکھیں تو ان کی گردن دکھنے لگے۔ میں تمہارے لئے اور بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر ایک مجبوری ہے........."

پریتی سمجھ گئی کہ اب وہ اپنی بیوی والی مجبوری بیان کرے گا۔ اس لمحہ اچانک یہ خواہش پیدا ہوئی کہ......... وہ بیوی کی بات نہ چھیڑے۔ اگر چھیڑے گا تو پھر ایک بیوی والے سے مل بیٹھنا معیوب ہو جائے گا۔ ہر بات' ہر جذبہ غلط ہو جائے گا۔ وہ ملاقات ناجائز ہو گی۔ ابھی وہ دھوکا دے رہا تھا اور وہ دھوکا کھا رہی تھی تو یہ اچھا ہی تھا۔ بعض حالات میں ایسے تعلقات بہت اچھے لگتے ہیں۔

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "پریتی! میں تمہیں بتا دوں کہ میری شادی ہو چکی ہے۔"

وہ چپ رہی۔ اس کے چہرے سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ اسے دکھ پہنچا ہے اور وہ تذبذب میں ہے۔ وہ ایسے مردوں سے نفرت کرتی تھی' جو بیویاں رکھ کر دوسری عورتوں سے دوستی کرتے ہیں۔ وہ ایسی لڑکیوں کو گری ہوئی نظروں سے دیکھتی تھی' جو اچھی خاصی عمر والے شادی شدہ مردوں سے دوستی کرتی تھیں۔ اب یہ اس پر بیت رہی تھی۔ سنجے مکرجی کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ کسی حال میں اس سے نفرت نہیں کر سکتی تھی اور اس کے پاس بیٹھ کر خود کو نظروں سے گرا نہیں سکتی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ مجھے تم سے نہیں ملنا چاہئے مگر میں تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پچھلے چھ ماہ کے دوران تم نے کئی بار فون کیا۔ میں نے کئی بار عہد کیا کہ تمہاری فون کال کا جواب نہیں دوں گا۔ تم اتنی سندر ہو کہ تم سے ڈر لگتا تھا۔ میں پہلے سے سمجھتا رہا ہوں کہ ایک بار تمہارے پاس آکر دور جانا ممکن نہیں ہے۔"

وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ سنجے کا ایک ایک لفظ درست لگ رہا تھا۔ کیونکہ وہ خود پاس آکر دور بھاگنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ وہ بات کا رخ پھیرتے ہوئے بولی۔

"آپ اپنی دھرم پتنی کے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"اس کا نام نرملا ہے۔ ہماری شادی کو پندرہ برس گزر چکے ہیں' بہت کم عمری میں شادی ہوئی تھی' اب تک کوئی اولاد نہ ہو سکی۔ شاید وہ بانجھ ہے۔"

"اولاد کی خواہش ہوتی تو ہوگی؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "اولاد کی خواہش کسے نہیں ہوتی؟ میرے بعد میرا نام لینے والا کوئی ہونا چاہئے۔"

"نرملا دیوی بھی یہی سوچتی ہوں گی۔"

"ایک بانجھ عورت کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ ایک آدھ بار کہہ چکی ہے کہ میں اسے طلاق دے کر اولاد کے لئے دوسری شادی کرلوں۔"

پریتی کو اندر سے اطمینان ہوا۔ سنجے مکرجی کی جیون ساتھی بننے کی تھوڑی سی گنجائش نکل آئی تھی لیکن یہ اسے اچھا نہ لگا کہ اس کے کارن ایک بیاہتا عورت کو طلاق ہو جائے۔ یہ نرملا پر ظلم ہوگا۔ وہ بولی۔ "آپ بہت اچھے ہیں۔ میں آپ کی کمی محسوس کروں گی لیکن آئندہ کبھی نہیں ملوں گی۔"

"میں بھی نہیں چاہتا کہ کبھی میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ میں تمہاری صلاحیتوں سے متاثر ہوں۔ تمہیں بام عروج پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ پریتی! تمہیں میری ضرورت ہے۔ ہم روز نہیں ملیں گے مگر کبھی کبھی تو ہمیں ملنا چاہئے۔ کبھی کبھی ٹھیک رہے گا نا؟"

وہ دل میں بولی۔ نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے' وہ زبان سے بول پڑی۔ "ٹھیک ہے۔"

☆------☆------☆

پہلے پریتی کے دن گزر جاتے تھے۔ اب گزارنے سے بھی نہیں گزرتے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے وہی یاد آتا تھا۔ اسے بھلانے کے لئے اس نے اپنی ساری قوت ارادی صرف کر ڈالی۔ بھلانے کے دوران اکثر یہ ہوتا تھا کہ کبھی کوئی بولتا تھا تو سنجے کا لہجہ یاد آنے لگتا تھا۔ دور کسی اجنبی کو جاتے دیکھ کر پیچھے سے سنجے کا گمان ہوتا تھا۔ کبھی ریڈیو یا اخبارات میں کوئی لیڈر تقریر کے دوران چیخ کر کہتا کہ شراب پر پابندی ہونا چاہئے تو پریتی دل ہی دل میں اس لیڈر کی مخالفت کرتی۔ کیونکہ اس کا سنجے شراب پیتا تھا۔

دو ہفتے بعد اچانک سنجے نے فون کیا۔ "ہیلو پریتی! آج تمہیں فرصت ہے؟"

وہ ایک مقدمہ میں الجھی ہوئی تھی۔ بہت مصروف تھی مگر اس نے کہہ دیا۔ "فرصت ہے۔"

اس رات انہوں نے ایک چائنیز ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران وہ قانون اور سیاست پر گفتگو کرتے رہے۔ دنیا کو پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرتے رہے۔ جبکہ اندر سے اپنا ہی مسئلہ حل طلب تھا۔ وہ بظاہر رومانی گفتگو سے پرہیز کرتے رہے لیکن ابھی اتنا ہی رومانس کافی تھا کہ وہ مل رہے تھے۔

جب وہ گھر واپس آئی تو بہت خوش تھی۔ بستر پر گر کر چاروں شانے چت ہو کر بڑی دیر تک چھت کو گھورتی رہی' اس کی صورت دیکھتی رہی۔ اس کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کو کیسٹ کی طرح ریوائنڈ کرکے اس کی گفتگو کے ایک ایک لفظ کو دوبارہ سنتی رہی' آپ ہی آپ مسکراتی رہی اور شرماتی رہی۔ یہ بھولتی رہی کہ اس سے محبت نہیں کرنا ہے' صرف دوستی کرنا ہے۔ یہ بھولتی رہی کہ دوست کو یاد تو کیا جاتا ہے مگر اس کی یاد سے شرمایا نہیں جاتا۔

ایک ہفتہ بعد دریائے ہگلی کے ساحل پر ان کی ملاقات ہوئی۔ وہاں کشتیوں پر ریسٹورنٹ بنے ہوئے تھے۔ وہ ہگلی کی لہروں پر بہتے رہے' کھاتے رہے اور خوب دل کھول کر باتیں کرتے رہے۔ اس بار ان کی باتوں میں رومانس کی چاشنی پیدا ہو گئی تھی۔

پھر ایک ہفتہ بعد سنجے نے فون کیا۔ پریتی نے سمجھا' پھر ملاقات کی گھڑیاں نصیب ہونے والی ہیں لیکن اس نے کہا۔ "پریتی! میں کچھ دنوں کے لئے یورپ جا رہا ہوں۔ تمہارا شہر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا مگر جانا بے حد ضروری ہے۔"

وہ بولی۔ "آپ کو ضرور جانا چاہئے۔ میں آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔"

"میں جلد از جلد اپنی پریتی کے پاس پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

وہ خوشی سے لہرا گئی۔ سنجے نے پہلی بار اسے اپنی پریتی کہا تھا۔ اتنی سی مٹھاس جدائی کے دن گزارنے کے لئے کافی تھی لیکن اس کے جانے کے بعد پریتی نے محسوس کیا کہ وہ اس کے لئے بہت فکر مند ہے۔ وہ بیویوں جیسے انداز میں سوچتی تھی کہ پتہ نہیں وہ جہاں گیا ہے' وہاں اس کے کھانے پینے اور سونے کا معقول انتظام ہوگا یا نہیں؟ سنا ہے' یورپ میں شراب اور شباب دونوں ہی ملتے ہیں۔ کیا وہ شراب کے ساتھ؟ وہ سوچتے سوچتے ان

تمام لڑکیوں سے حسد کرنے اور جلنے لگتی تھی' جو تصور میں بھی سنجے کے قریب پائی جاتی تھیں۔

وہ خیال ہی خیال میں بڑبڑانے لگتی تھی۔ "تم کب آؤ گے؟ کیا طویل دورے پر گئے ہو؟ کیا تم غیر ممالک کی لڑکیوں کی زبان سمجھ لیتے ہو؟ کیا تم نرملا کو اپنے ساتھ لے گئے ہو؟ کیا میں باؤلی ہو گئی ہوں؟"

اس کے معاون کرم چند نے اس کے دفتری کمرے میں قدم رکھتے ہوئے پوچھا۔ "پریتی جی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ آپ اپنے ہی آپ کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔"

پریتی نے دل ہی دل میں کہا۔ "ہاں میں درد ہوں' دوا چاہئے۔ ٹھنڈے پانی کا غسل چاہئے۔ مجھے سنجے چاہئے........"

وہ کرم چند سے بولی۔ "میں ٹھیک ہوں' ذرا تھک گئی ہوں تم جاؤ۔"

اس دن سے پریتی نے خود کو بہت زیادہ مصروف رکھنا شروع کر دیا۔ وہ اب روزانہ کچہری جانے لگی۔ ایک ہی مقدمہ کی فائل پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنے کے لئے اس مقدمہ پر مختلف پہلوؤں سے دماغ سوزی کرنے لگی۔ اگر وہ ایک لمحہ کو بھی ڈھیل دیتی تو وہ لمحہ سنجے کی یاد کو پکڑ کر لے آتا۔

کتنے ہی لمحے' کتنے ہی دن اسے قتل کرتے ہوئے گزر گئے۔ پھر ایک دن اچانک فون پر اس کی آواز سنائی دی۔ "میں آگیا ہوں۔"

سنجے کی آواز سنتے ہی جیسے اس کے اندر زلزلہ سا آگیا۔ ایک دم سے پرواز کرکے اس کے بازوؤں میں پہنچنے کے لئے مچل گئی۔ حالانکہ دونوں نے ابھی تک ایک دوسرے کو چھو کر نہیں دیکھا تھا مگر وہ تصور میں دیکھتی تھی۔ اس کے بازوؤں کی سختی میں اپنے بدن کو دکھتا ہوا محسوس کرتی تھی۔ خوشی سے سہم کر سوچتی تھی کہ جانے وہ کیسا ہوگا؟ وہ سوچتی تھی۔ پھر آپ ہی شرما کر منہ چھپا لیتی تھی۔

پھر ایک ریسٹورنٹ میں ان کی ملاقات ہوئی۔ پتہ نہیں کیوں وہ ملاقات میں پہلے سے زیادہ اپنا لگتا تھا۔ کھانے کے بعد وہ اسے اپنی کار میں بٹھا کر لے گیا۔ پریتی نے نہیں پوچھا کہ اسے کہاں لے جارہا ہے؟ وہ تو اس کے سامنے جیسے سحرزدہ سی ہو جاتی تھی۔ دل ہی دل میں اس سے پوچھتی تھی۔ "میرے جادوگر! کب تک عمل پڑھتے رہو گے؟ مجھے کہیں

لے جاکر مار کیوں نہیں ڈالتے؟"

رات کے گیارہ بجے اس نے پریتی کے کاٹیج کے سامنے کار لاکر روک دی۔ پھر انجن کو بند کرتے ہوئے کہا۔ "آج میں تمہارے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چائے پیوں گا۔ بشرطیکہ تم مجھے اپنے گھر میں آنے کی اجازت دو۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ آپ ہی کا گھر ہے۔ آجائیے۔"

وہ دونوں کار سے اتر کر کاٹیج کے دروازے تک آئے۔ پریتی نے اپنے پرس سے چابی نکال کر دروازے کو کھولا۔ اندر تاریکی تھی۔ پریتی نے کہا۔ "میں ایک کمرے کی لائٹ آن کرکے یہاں سے گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے' بجلی گئی ہے۔"

اس نے اندر آکر دروازے کے پاس والے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس سوئچ کو آن آف کیا۔ واقعی بجلی نہیں تھی۔ سنجے نے اندر آکر پوچھا۔ "گھر میں موم بتی ہوگی؟"

وہ تاریکی میں تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے صرف آوازیں سن سکتے تھے۔ "موم بتی میری خواب گاہ میں ہے۔"

بولتے وقت اس کی آواز لرز رہی تھی۔ یہ احساس حاوی تھا کہ اندھیرے میں وہ بالکل سامنے کھڑا ہے۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تم اندھیرے میں اپنی خواب گاہ تک جاسکتی ہو؟"

"ہاں۔ مگر ڈر لگتا ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ آؤ۔"

اس نے ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ بدن سے کہیں لگ گیا۔ ایک دم سے بجلی دوڑ گئی۔ یہاں سے وہاں تک دنیا روشن ہوگئی۔ عجیب روشنی تھی کہ اپنے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا اور اپنے سنجے کے سوا کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ اندھیرے میں بڑھتے رہے اور رکتے رہے۔ بولتے رہے اور بولنے والے لبوں کو چپ چپ کرتے رہے۔ خواب گاہ میں پہنچنے کے بعد موم بتی نہیں ملی۔ یاد نہیں آیا کہ اس نے کہاں رکھ دی تھی۔ خوب سازش تھی کہ صبح تک بجلی بھی نہیں آئی۔

☆------☆------☆

وہ صبح ان کے لئے قیامت بن گئی۔ کیونکہ اب وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہونا چاہتے تھے لیکن انہوں نے تو جدائی سہنے والی محبت کی تھی۔ انہیں نہ چاہنے کے باوجود الگ ہونا تھا۔ وہ جسے محبت کہتے تھے' اسے تہذیب گناہ کہتی تھی۔ ایسی محبت صرف نادان نہیں کرتے' ان کے جیسے باشعور بھی کرتے ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے ایسی مسرتیں دی ہیں کہ مجھے پہلی بار عورت اور اس کی محبت سمجھ میں آرہی ہے۔"

وہ شرما گئی۔ نظریں جھکا کر بولی۔ "عورت تو آپ کے گھر میں بھی ہے۔"

"ہاں۔ آج مجھے پتہ چلا ہے کہ میں نرملا سے صرف فرض نباہتا آیا ہوں۔ میری جان! ہم تعلیم یافتہ ہیں۔ اپنے جذبات واحساسات کو لفظوں میں بیان کرسکتے ہیں تم بتاؤ کہ تمہارے احساسات کیا ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میرے اندر ایسی مسرتیں بھری ہوئی ہیں کہ انہیں بیان کرتے کرتے الفاظ کے خزانے خالی ہوجائیں گے۔ بھگوان سے میری ایک ہی خواہش ہے کہ یہ وقت جو مجھے مل رہا ہے' وہ ملتا رہے۔ آپ کو پانے کا یہ سلسلہ میری موت کے ساتھ ختم ہو۔"

وہ پیار بھری باتوں سے سرشار ہوکر پھر ایک دوسرے کو پانے کا یقین کرنے لگے۔ ان کے درمیان وقت اندھی ہوا کی طرح گزرتا گیا۔ پھر سنجے نے کھڑکی کے باہر صبح کی پہلی جھلک دیکھ کر کہا۔ "مجھے فوراً یہاں سے جانا چاہئے۔ میری کار باہر کھڑی ہے۔ کسی نے پہچان لیا تو ہمارا یہ ملاپ اخبارات تک پہنچ جائے گا۔"

پریتی کے دل سے ایک آہ نکلی۔ "آہ! کیسے مرد کے آگے تن من ہار بیٹھی ہوں۔ اس کی شہرت شیشے کی طرح نازک ہے۔ اس کے ساتھ میرا نام آتے ہی یہ چُور چُور ہوجائے گا۔"

سنجے نے جھک کر اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "تم اداس ہوگئیں' نہیں میری جان! ہمارے ملتے رہنے کی ایک تدبیر میرے ذہن میں ہے۔"

"کیا تدبیر ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم ابھی دس بجے تک تیار ہوکر کمل ریسٹورنٹ پہنچو ہم وہاں سے ایک بنگلہ کرائے پر حاصل کرنے کے لئے نکلیں گے ایسا بنگلہ جس میں موٹر گیراج ہوگا وہاں میں اپنی کار چھپا

دیا کروں گا۔ تم وہاں رہو گی میں رات کو آیا کروں گا اور صبح جایا کروں گا۔"

"اور تمہاری دھرم پتنی نرملا دیوی؟"

"میں نے اسے دو ماہ کے لئے دہلی بھیج دیا ہے۔ وہ وہاں اپنے رشتے داروں کے ہاں رہے گی۔ میں رفتہ رفتہ اسے قائل کررہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ جلد ہی طلاق لے لے گی۔"

پریتی کا سر جھک گیا۔ ایک سوال پیدا ہوا کیا سنجے اس کی خاطر نرملا کو طلاق دے گا؟

ایک جواب ملا۔ نہیں۔ وہ اولاد کے لئے ایسا کرے گا۔ اگر میں اس کی زندگی میں نہ رہوں تب بھی وہ اولاد کے لئے کسی نہ کسی سے شادی ضرور کرے گا۔ نرملا کی بدنصیبی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔

پریتی نے اپنے ضمیر کو سمجھالیا اور اس دنیا میں کون اپنے ضمیر کو الو نہیں بناتا؟

☆------☆------☆

دو بیڈ روم اور ایک ڈرائنگ روم کا بنگلہ بہت خوب صورت تھا۔ دولت ہو تو دنیا کی ہر خوبصورتی کو داشتہ بنا کر رکھا جاسکتا ہے۔ سنجے مکرجی نے قیمتی فرنیچر اور دوسری ضروریات کا سامان خریدا تھا اور پریتی نے اس گھر کو بڑے سلیقے سے سجایا تھا۔ بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ کہ وہ گھر ہمیشہ سنجے کے دم قدم سے آباد رہے۔

سنجے نے اپنے دو چار جوڑے وہاں لاکر رکھے تھے کیونکہ وہ ہر رات وہاں گزارتا تھا اور وہاں سے لباس بدل کر واپس جاتا تھا۔ پریتی نے وکالت کے پیشے میں رہ کر پہلے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ گھریلو عورت بنے گی مگر اب وہ اپنے مرد کی ایک ایک پسند کا خیال رکھتی تھی۔ اس کے لئے کھانا پکاتی تھی۔ اس کے کپڑے دھوتی اور استری کرتی تھی۔ رات کو جب وہ سوجاتا تو وہ اسے بانہوں میں لے کر جاگتی رہتی اسے دیکھتی رہتی۔ دماغ کے کسی گوشے میں یہ خوف تھا کہ تقدیر کبھی اسے چھین بھی سکتی ہے۔ اس لئے اسے جی بھر کر دیکھتے رہنے کی جتنی گھڑیاں میسر آتی تھیں' وہ دیکھتی رہتی تھی اور اس وقت تک آنکھیں کھلی رکھتی تھی جب تک کہ نیند زبردستی اس پر غالب نہ آجاتی۔ وہ سارے اندیشے بھول کر اس کی پناہ میں سوجاتی تھی۔

دیوانگی ایسی تھی کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے الگ نہیں رہنا چاہتی تھی۔

دن کو جب وہ نہیں ہوتا تھا تو پریتی بنگلہ کے اندر اس کی قمیض پہن کر پھرتی تھی۔ صبح وہ بستر سے اٹھ کر جاتا تو وہ کروٹ بدل کر اس کی خالی جگہ پہنچ جاتی تھی۔ اس جگہ وہ نجے کی گرم گرم مہک محسوس کرتی تھی۔ والہانہ لگاوٹ ایسی تھی کہ اس کے کپڑے پہن کر پریتی کو سکون ملتا تھا۔ ریڈیو سے نشر ہونے والے فلمی اور غیر فلمی محبت بھرے گیت یوں لگتے تھے جیسے وہ سب اس کے اور نجے کے لئے گائے جا رہے ہوں۔

اسے ہوش نہیں تھا کہ اسے کیا ہوگیا ہے اور وہ ہوش میں رہنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مدہوشی کا چسکا پڑا تھا۔ ہاں مگر وکالت کے پیشے میں وہ چاق و چوبند رہتی تھی۔ خود کو نجے کے شایانِ شان بنانے کے لئے اہم مقدمات پر خصوصی توجہ دیتی تھی۔ اس کا نام اور اس کے کارنامے بھی اخبارات میں شائع ہونے لگے تھے۔

وہ نجے کے شانہ بشانہ رہنے کے لئے اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتی تھی۔ وہ سب کچھ کر سکتی تھی لیکن اس کے ساتھ پبلک مقامات پر گھوم نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ نجے سے روح کی گہرائیوں تک رشتہ ہونے کے باوجود اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک گالی تھی' جو دونوں کے درمیان محبت سے جاری تھی۔

بس یہی سوچ کر اس کے دل پر چوٹ لگتی تھی۔ کیا بیوی کا رشتہ سب کچھ ہوتا ہے۔ محبوبہ کچھ نہیں ہوتی؟ حالانکہ وہ بیوی سے زیادہ اپنے مرد پر اعتماد کرتی ہے۔ کسی تحریر' کسی ضمانت کے بغیر اپنی عزت' اپنا غرور اور اپنا مستقبل اس مرد کے حوالے کردیتی ہے اور ادھر نکاح نامہ کے باوجود میاں بیوی ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے۔ پوری سوسائٹی کی ضمانت حاصل ہونے کے باوجود کبھی میاں بیوی کو اور کبھی بیوی میاں کو چھوڑ دیتے ہیں یا قتل کردیتے ہیں۔ پھر بھی وہ مہذب ہوتے ہیں اور محبت کا رشتہ خلافِ تہذیب سمجھ لیا جاتا ہے۔

ایک صبح دونوں کا نام اخبارات کے پہلے صفحہ پر شائع ہوا۔ پریتی بالا نے پھر ایک بار ایک پیچیدہ مقدمہ سے گزرتے ہوئے اپنی ایک ایسی موکلہ کو سزائے موت سے بچالیا تھا جس نے اپنے شوہر کی بے راہ روی سے تنگ آکر اسے قتل کردیا تھا۔ اس قاتلہ کو قانون کے قہر سے بچانا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اسی لئے پریتی بالا کا چرچا ہر اخبار میں تھا۔ دوسرا نام نجے مکرجی کا تھا۔ اس کے متعلق خبر شائع ہوئی تھی کہ وہ آئندہ انتخابات میں امیدوار کی

حیثیت سے نامزد ہوچکا ہے۔ اس کی تعریف کی گئی تھی کہ اس نے بنگال جیسے زرعی صوبہ میں صنعتی ترقی کے لئے بہت اہم رول ادا کئے ہیں۔ اس کی سماجی خدمات کو بھی بہت سراہا گیا تھا۔ پریتی نے اس سے ٹیلی فون پر کہا۔ "میں پیش گوئی کرتی ہوں کہ آپ عوام کے منتخب نمائندہ ہوں گے۔ کامیابی آپ کی منتظر ہے۔"

"شکریہ۔ میں ابھی تمہیں اس مقدمہ کی کامیابی پر مبارکباد دینا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے تم نے ہی مجھے فون کرلیا۔ بہرحال بنگلے میں سات بجے پہنچ کر بڑے پیار سے مبارک باد دوں گا۔"

اچانک پریتی کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کے دماغ کے کسی گوشہ میں ایک اندیشہ کلبلا رہا تھا' جسے وہ اس وقت اچھی طرح نہ سمجھ سکی۔ رات کو نجے کے بازوؤں میں چھپنے کے بعد سمجھ میں آیا کہ اندیشہ کیا ہے؟ وہ چاہتی تھی کہ اس کا نجے ووٹوں کی بھاری اکثریت سے جیت جائے لیکن ہار جیت کی وہ تلوار اس محبوبہ کے سر پر لٹک رہی تھی۔ اگر نجے سینٹ کا انتخاب جیتے گا تو وہ محبت کی بازی ہار جائے گی۔ کیونکہ.......... سیاست میں عشق اور اسکینڈل کے لئے گنجائش نہیں رہتی۔ وہ شادی شدہ تھا۔ اگر یہ بھید کھل جائے کہ اس نے ایک داشتہ رکھی ہے تو یہ نجے کے لئے سیاسی خودکشی ہوگی۔

اس نے ایک سرد آہ بھری۔ نجے نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ بولی۔ "اب اور زیادہ آپ کو محتاط رہنا ہوگا۔ مخالف امیدواروں کو ہمارے تعلقات کا علم ہوگا تو وہ اخلاقیات کا ڈھنڈورا پیٹ کر آپ کو عوام کی نظروں سے گرانا چاہیں گے۔"

"پریتی! یہ سچ ہے کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ نرملا واپس آگئی ہے اور اسے ہمارے تعلقات کا علم ہوگیا ہے۔"

اس نے چونک کر پوچھا "کیسے؟"

"پتہ نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ گھر کی کسی نوکرانی نے اسے بتادیا ہے کہ میں راتیں گھر میں نہیں گزارتا تھا۔"

"پھر تو بیوی نے خوب جھگڑا کیا ہوگا؟"

"تم نرملا کو نہیں جانتیں' وہ بالکل گائے ہے۔ اسے.......... غصہ نہیں آتا۔"

"تعجب ہے۔ میں اس کے شوہر سے ملتی ہوں۔ کیا مجھ پر بھی غصہ نہیں آیا؟"

"کیوں آئے گا؟ ہمارے درمیان طلاق ہونے والی ہے۔ اس کے بعد میری زندگی میں کوئی بھی آئے۔"

"کیا طلاق کے لئے بات آگے بڑھی؟"

"ابھی نہیں۔ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔"

"کون؟ نرملا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ ابھی تمہیں ساتھ لاؤں گا۔"

"مگر کیوں؟ میرا اس سے ملنا کیا ضروری ہے؟"

"بس اس کی خواہش ہے۔ پریتی! اس سے مل کر تمہیں معلوم ہوگا۔ وہ اتنی اچھی ہے کہ میں اس کی کوئی بات نہیں ٹالتا۔"

"مگر مجھے اس کے سامنے جاتے ہوئے اچھا نہیں لگے گا۔ میں اس کے سامنے چور بن جاؤں گی۔ کیونکہ۔ کیونکہ میں آپ کو اس سے چراتی ہوں۔"

"یہ تمہارے فضول خیالات ہیں۔ میں برائے نام اس کا شوہر ہوں۔ تم نے اس کا حق نہیں مارا ہے۔ چلو تیار ہو جاؤ۔"

"ٹھہریئے۔ مجھے ذرا سوچنے دیجئے۔"

"سوچنا کیا ہے؟ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں آپ کو کیسے سمجھاؤں؟ وہ بات یہ ہے کہ ہم دونوں عورتیں یعنی کہ میں ادھر اور وہ اُدھر آپ کی تنہائی میں رہتی ہیں۔ آپ کی موجودگی میں مجھے اس کا سامنا کرتے ہوئے شرم آئے گی۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "او آئی سی۔ اچھا تو ایسا کرتے ہیں کہ میں تمہیں اپنی کوٹھی کے سامنے چھوڑ کر کہیں وقت گزارنے چلا جاؤں گا۔ تم تنہا جاکر نرملا سے ملاقات کرنا۔"

وہ لباس بدلنے چلی گئی۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ اس نے........ سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی نرملا سے سامنا ہوگا اور اب سامنا ہوگا تو وہ کیسے نظریں ملائے گی؟ روانگی کے وقت سنجے کے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھتے وقت پہلی بار احساس ہوا کہ اسے اس مرد کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھنے کا حق نہیں ہے۔ نرملا نے اگر یوں بیٹھے دیکھ لیا تو اس پر ہنسے گی۔

سنجے نے ایک دکان کے پاس گاڑی روک کر وہاں سے فون پر نرملا کو اطلاع دی کہ وہ پریتی کو کوٹھی کے سامنے چھوڑ کر کہیں تھوڑا وقت گزارنے جائے گا کیونکہ پریتی اس سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہے۔ اسے اطلاع دینے کے بعد وہ پھر کار میں آگیا۔ اس نے پریتی کو بھی بتا دیا کہ کوٹھی کے دروازے پر نرملا اس کا استقبال کرے گی۔

واقعی نرملا دروازے پر منتظر تھی۔ دور احاطہ کے باہر سنجے پریتی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ پریتی احاطہ کے گیٹ سے داخل ہو کر دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ ادھر سے نرملا بڑھتی ہوئی آئی۔ قریب پہنچتے پہنچتے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑے خلوص سے نمستے کہا۔ نرملا کے اس پیار بھرے انداز نے پریتی کی ڈھارس بندھائی۔ اس نے دولت مند ہو کر' اتنے بڑے شخص کی بیوی ہو کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے نمستے کہا تھا۔ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ نرملا نہ تو مغرور ہے اور نہ ہی اسے سوکن سمجھ کر کوئی طنزیہ انداز اختیار کرنے والی ہے۔

اس نے ململ کی ایک معمولی سی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود وہ سنجیدہ' معاملہ فہم اور بھاری بھرکم شخصیت والی عورت لگ رہی تھی۔ کوٹھی کے اندرونی کمروں کی سجاوٹ سے بھی نرملا کی خوش ذوقی اور سلیقے کا پتہ چلتا تھا۔ ملاقات کی ابتدا میں پریتی نے مان لیا کہ وہ عورت دل میں گھر کرلیتی ہے۔ تعجب ہے کہ سنجے اس گھر سے کیسے نکل گیا؟

☆------☆------☆

وہ ڈائننگ روم میں آئے۔ پریتی نے بہانہ کیا کہ اسے بھوک نہیں لگ رہی ہے۔ نرملا نے کہا۔ "تم بیرسٹر ہو۔ تمہیں تو کھانے پینے میں بھی وقت کی پابندی کرنا چاہئے۔ نہیں کرو گی تو شادی کے بعد سنجے کو بھی وقت پر کھانا نہیں دے سکو گی۔"

پریتی بے حد متاثر ہوئی۔ وہ بیوی ہو کر اپنے شوہر کو ابھی سے اس سے منسوب کر رہی تھی۔ دونوں کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ جب ملازم کھانا لگا کر چلے گئے تو نرملا نے پوچھا۔ "تم ان سے بہت پیار کرتی ہو۔ ہے نا؟"

پریتی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں کیا کہوں۔ میں اپنے بس میں نہیں تھی۔ یہ دل

بڑا پاپی ہوتا ہے۔ پتہ نہیں میں کیسے ان کی طرف مائل ہو گئی اور اب میری یہ حالت ہے کہ مر کر ہی انہیں شاید بھلا سکتی ہوں۔"

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہی ہوں۔ زندگی کے بہت سے معاملات ہمارے تمہارے بس میں نہیں ہوتے۔ مثلاً میری ازدواجی زندگی میرے بس میں نہیں رہی۔ ججے مجھ سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ اس پیار کے پیچھے محض ایک ہمدردی ہے' جو ایک بانجھ عورت سے کی جاتی ہے۔ اگر ہمارے ہاں صرف ایک بچہ ہو جائے تو ان کے پیار کی سچائی لوٹ آئے گی۔"

نرملا کو اپنے آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ وہ بدصورت نہیں' خوبصورت تھی۔ پھوہڑ نہیں سگھڑ عورت تھی۔ صحت کے اعتبار سے بھرپور اور پرکشش تھی۔ کوئی مرد اسے پاکر چھوڑنے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ پریتی یقین سے کہہ سکتی تھی کہ ججے نرملا کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ صرف ایک اولاد کی کمی عورت کے حسن اور صلاحیتوں کو اور اس سے ہونے والی چاہت کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

نرملا نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ "میں ان سے برابر کہتی رہی کہ مجھے چھوڑ دیں۔ دوسری شادی کرلیں لیکن وہ ہمیشہ پس و پیش میں رہے۔ شاید مجھے چھوڑنے کے لئے ضمیر ان کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔ شاید انہیں اب تک اپنی پسند اور معیار کی لڑکی نہیں ملی تھی۔ میں نے تمہارا ذکر سنا تو دیکھنے کو دل چاہا۔ پریتی! تم سچ مچ سندر ہو۔ ججے کے شایانِ شان تم میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ تم عورت بھی ہو اور مرد بھی۔ بڑی بڑی عدالتوں میں بڑے بڑے بیرسٹروں کو منہ توڑ جواب دیتی ہو۔ ججے کی طرح اخبارات میں تمہارا نام بھی شائع ہوتا رہتا ہے تم دونوں کی جوڑی بے مثال ہے لیکن میں تمہیں نیک مشورہ دوں گی کہ شادی سے پہلے طبی معائنہ کرا لینا۔ بھگوان کرے کہ تمہارے سارے سپنے پورے ہوں لیکن اگر تم بھی بانجھ نکلیں تو پھر دوسری نرملا بن جاؤ گی۔ تمہاری ساری خوبیاں اور سندرتا خاک میں مل جائیں گی۔"

نرملا نے بڑی بچی تلی زہریلی بات کی تھی۔ یہ بات پریتی کے دل کو لگی۔ مگر دل پھر بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوا کہ اس سے بھی اولاد نہ ہوئی تو ججے اسے بھی ایک دن چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ پریتی نے نرملا سے پوچھا۔ "کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ دو انسانوں کے درمیان کبھی بے لوث محبت نہیں ہوتی۔ محبت کے پیچھے کوئی غرض ہوتی ہے۔ وہ غرض پوری نہ ہو تو محبت میں فرق آجاتا ہے۔"

"مجھ پر یہی گزر رہی ہے۔ اس لئے میں یہی کہہ رہی ہوں۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ججے بے وفا اور ہرجائی ہے۔ نہیں۔ وہ تمہیں بانجھ ہونے کے باوجود چاہتے رہیں گے لیکن وہ چاہت ایک فرض کے طور پر ہوگی۔ وہ محبوب نہیں' ہمدرد ہوں گے۔ ایک رومال ہوں گے ہمارے تمہارے آنسو پونچھنے کے لئے.........."

تھوڑی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پریتی لقمہ چباتے ہوئے سوچتی رہی۔ پھر نرملا نے کہا۔ "میری باتوں سے یہ تاثر نہ لینا کہ میں تمہیں ججے کے خلاف بہکا رہی ہوں۔ فرض کرو اگر میں تمہیں بہکا کر ججے کے راستے سے ہٹادوں تو کوئی دوسری آجائے گی۔ وہ تو اولاد کے لئے ضرور دوسری شادی کریں گے۔ کسی سے بھی کریں گے۔"

"نرملا دیوی! آپ کی باتوں میں سنجیدگی اور سچائی ہے۔ میں آپ کے خلوص پر شبہ نہیں کر رہی ہوں۔ سوچ رہی ہوں کہ آپ نے ججے کو چھوڑنے کے لئے دل کو کیسے مضبوط بنا رکھا ہے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "میں اوپر سے مضبوط ہوں۔ اندر سے بہت کمزور ہوں۔ جیسے ہر عورت محبت میں ہوتی ہے۔ میں دن رات سوچتی رہتی ہوں کہ ججے کی دھرم پتنی بنے رہنے کا کوئی بہانہ مل جائے۔ کبھی میری پوجا قبول ہو' ایسا کرشمہ ہو کہ میں اچانک ماں بننے لگوں اور یہ ممکن نہ ہو تو قانون اور دھرم مجھے ججے کے قدموں میں رہنے کی اجازت دے دے۔ میں عجیب الٹی سیدھی باتیں سوچتی ہوں۔ کبھی سوچتی ہوں۔ کاش ہم مسلمان ہوتے.........."

پریتی نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ سر جھکا کر بولی۔ "ہاں میں ججے کے لئے دھرم بدل سکتی ہوں۔ اسلام میں یہ سہولت ہے کہ بیوی بانجھ ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں ہوتا۔ مرد دوسری شادی کر سکتا ہے اور بانجھ عورت کو اپنی توہین کا احساس نہیں ہوتا کہ اسے بیکار اور بنجر سمجھ کر ٹھکرا دیا گیا ہے۔ ایک زمانہ کہتا ہے کہ عورت اپنی سوکن کو برداشت نہیں کرتی۔ زندگی کے اس موڑ پر آکر میں تمہیں برداشت کر رہی ہوں۔ تم بھی ججے کی خاطر مجھے برداشت کر سکو گی مگر یہ میری پاگل سوچیں ہیں۔ نہ ہم مسلمان ہیں' نہ

ایک مرد کی دو بیویاں بن کر رہ سکتے ہیں۔"

پرتی نے سرہلا کر کہا۔ "زندگی کے ایسے موڑ پر ایسا ہی مذہب سب سے افضل ہوتا ہے جو محبت کا تحفظ کرسکے لیکن نجے کے لئے محبت سے زیادہ سیاست اہم ہے۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ وہ سیاست میں رہ کر آپ کی خاطر اسلام قبول کرسکتے ہیں؟"

نرملا نے جواب دیا۔ "مجھے یہ خوش فہمی ہے کہ نجے میرے لئے سب کچھ کرسکتے ہیں لیکن انہوں نے مذہب بدلا تو انہیں ایک ووٹ بھی نہیں ملے گا۔ مجھے طلاق لے کر اس گھر سے جانا ہی پڑے گا۔"

پرتی نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ بے شک ہندو دھرم میں طلاق کے بغیر کام نہیں چلتا۔ پہلی بیوی کو اپنی زندگی سے نکالنے کے بعد ہی اولاد کے لئے دوسری شادی کی جاسکتی ہے اور اب نرملا کے طلاق لینے کا وقت آگیا تھا۔ وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "میں نجے کی خوشی چاہتی ہوں۔ اسے باپ بنتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں آج ہی گھر چھوڑ کر چلی جاتی لیکن میں جاؤں گی تو نجے الیکشن ہار جائیں گے۔"

پرتی کو نرملا کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ دوسرے ہی لمحہ نرملا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "طلاق دینا ایک جاہلانہ فعل ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ بیوی کے پاس پندرہ برس کی وفاداری اور سلیقہ مندی کا ریکارڈ ہو اور بانجھ ہونے میں اس کا اپنا کوئی قصور نہ ہو میں انتخاب سے پہلے طلاق لوں گی تو یہ خبر اخبارات میں آئے گی۔ مخالف امیدوار میری مظلومیت کو اس قدر اچھالیں گے کہ نجے عوام کی نظروں سے گر جائیں گے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

وہ بالکل درست کہہ رہی تھی۔ پرتی اب تک رومانی جذبات میں گھری ہوئی تھی۔ اس نے نرملا کے نقطۂ نظر سے نہیں سوچا تھا۔ اب بات سمجھ میں آئی تو اس نے تسلیم کیا کہ ابھی نرملا کو طلاق دینا نجے کے لئے مہنگا پڑے گا۔ لہٰذا ابھی صبر کرنا ہوگا۔ الیکشن کے لئے صرف چھ ماہ رہ گئے تھے۔ ابھی نہ سہی چھ ماہ بعد اسے نجے کی دلہن بننا ہی تھا۔

انتخابات میں کامیابی یقینی تھی۔ سینیٹر منتخب ہونے کے بعد نجے نے کہا تھا کہ وہ اسے دھرم پتنی بنا کر وہاں کی راجدھانی دہلی لے جائے گا۔ سرکاری طور پر وہیں رہائش اختیار کی جائے گی۔

وہ رات کے ساڑھے بارہ بجے اپنے بنگلے میں واپس آئی۔ وہاں نجے اس کا منتظر تھا۔ اس نے پرتی کے قریب آکر پوچھا۔ "نرملا سے ملاقات کیسی رہی؟"

"بہت اچھی رہی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس قدر ملنسار اور معاملہ فہم ہوگی۔ وہ آپ کو لاولد دیکھنا نہیں چاہتی۔"

وہ دور کہیں دیکھنے لگا۔ پرتی کو آغوش میں لے کر جیسے اپنے سامنے نرملا کو فریادی کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ پھر آہستگی سے بولا۔ "وہ ہر حال میں میری بھلائی چاہتی ہے۔ کہتی ہے الیکشن سے پہلے طلاق لے گی تو مجھے نقصان پہنچے گا۔ وہ بڑی مخلص اور ذہین ہے۔"

"آج نرملا کی باتوں سے معلوم ہوا کہ آپ اسے دل وجان سے چاہتے ہیں۔ آپ اس کی کوئی بات نہیں ٹالتے۔ ایک بات سچ سچ بتائیں۔ کیا آپ اسے مجھ سے زیادہ چاہتے ہیں؟"

"پرتی! محبت کو تاپا اور تولا نہیں جاسکتا۔ نرملا کی سوچ کے مطابق اگر میں مسلمان ہوتا اور تم دونوں میرے پاس بیویوں کی حیثیت سے رہ سکتیں تو میں دونوں سے برابر محبت اور انصاف کرتا۔ اپنے موجودہ حالات میں یقین آجاتا ہے کہ دو بیویاں رکھنے والا شخص کیسے دونوں سے انصافاً نباہ کرتا ہوگا؟ اس لئے کہ محبت نباہ کراتی ہے۔ میں تم دونوں سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ نرملا کے انداز میں سوچ رہے ہیں؟ کیا آپ اس کی خاطر اپنا دھرم چھوڑ سکتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔ "صرف نرملا کا نام لے کر نہ پوچھو۔ میں تم دونوں کی محبت کی خاطر دین وایمان سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں۔ محبت ذات پات دین دھرم کچھ نہیں دیکھتی لیکن ہم سیاستدان اور قانون داں ہیں۔ ہم ایسی شہرت حاصل کرتے ہیں کہ گمنام لوگوں کی طرح اپنے ارادے اور اپنا دھرم نہیں بدل سکتے۔ اس موضوع پر گفتگو کرنا فضول ہے۔"

انہوں نے موضوع بدل دیا۔ جذبوں کی زبان سے باتیں کرنے لگے۔ انہیں ایک دوسرے کا جیون ساتھی بننے کے لئے چھ ماہ گزارنے تھے۔ وہ مہینے گزرنے لگے۔ نجے کی مصروفیات اتنی بڑھ گئیں کہ وہ پرتی کے ساتھ بڑی مشکلوں سے ہفتے میں ایک رات گزارتا

تھا۔ ریڈیو سے اس کی تقریریں نشر ہوتی تھیں۔ ٹی وی کے اسکرین پر وہ اکثر کسی نہ کسی تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے نظر آتا تھا۔ خبر آتی تھی کہ وہ صبح دہلی میں ہے شام کو بمبئی پہنچ گیا ہے۔ کبھی مدراس' کبھی مدھیہ پردیش' کبھی اترپردیش' کبھی بہار' اڑیسہ اور کبھی مشرقی پنجاب اور راجستھان۔ وہ روزانہ اپنی پارٹی کے سیاسی جلسوں میں تقریریں کرتا تھا مگر ایک بات ہے۔ وہ بھارت کے جس گوشے میں بھی جاتا تھا وہاں سے ٹرنک کال پر پریتی سے ضرور باتیں کرتا تھا۔ اس کی باتوں کا لب لباب یہ ہوتا تھا کہ اپنی پریتی کے بغیر خود کو خالی خالی محسوس کرتا ہے۔ ایک بار اسے پتہ چلا کہ انتخابی مہم کے دوران نرملا اس کے ساتھ دہلی گئی ہے۔ اس سے پریتی کے دل میں یہ شدید آرزو پیدا ہوئی کہ کاش وہ اس وقت اس کی بیوی ہوتی اور اعلانیہ اس کے ساتھ انتخابی مہم میں حصہ لیتی۔ اے کاش!

☆------☆------☆

وہ انتخابی مہم کے دوران جس شہر میں پہنچتا تھا۔ وہاں اس کا شاندار استقبال ہوتا تھا۔ وہاں کے بڑے بڑے سرمایہ دار اس کی بہترین رہائش کا انتظام کرتے تھے۔ دہلی پہنچ کر نرملا نے پوچھا۔ "آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں پھر طلاق کے بعد میرے بغیر کیسے رہ سکیں گے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کیسے رہوں گا۔ یوں تو پریتی سے بہت پیار ملے گا۔ شاید وہ میرے بچے کی ماں بھی بن جائے۔ وہ میرا دل اور میرا گھر جیت لے گی لیکن میں تمہیں ہار جاؤں گا۔ تم بچھڑنے کے بعد اور یاد آؤ گی۔"

"میں دن رات اس مسئلے پر سوچتی رہتی ہوں۔ ایک ہی بات سمجھ میں آئی ہے کہ پریتی آپ کی محبوبہ ہے۔ اسے جب تک بیوی کا درجہ نہ ملے۔ وہ محبوبہ کے طور پر ہی مطمئن رہے گی۔ مجھے بیوی کا غرور اور سہاگن کا باعزت سماجی رشتہ مل چکا ہے۔ میں اس رشتے سے گر کر آپ کی داشتہ بن کر نہیں رہ سکوں گی۔"

"پھر بات کیا سمجھ میں آئی؟"

"یہی کہ مجھے اور پریتی کو اپنے اپنے ہی مقام پر رہنا چاہئے' اسی طرح آپ دونوں سے اپنی محبت اور جائز اور ناجائز رشتوں کو بحال رکھ سکتے ہیں۔ ایسا کوئی بیوی نہیں کرے گی۔ یہ میرا ہی حوصلہ ہے کہ پریتی کو ہر حال میں برداشت کروں گی۔"

"نرملا! میں نے اکثر یہی سوچا ہے کہ ابھی جس طرح معاملہ چل رہا ہے' چلتا رہے لیکن اولاد کا کیا ہوگا؟"

"میں ایک آخری کوشش کروں گی۔"

"وہ کوشش کیا ہوگی؟"

"میں بتا دوں گی۔ آپ میری کسی بات سے انکار نہیں کرتے ہیں۔ کیا آپ میرے کہنے پر ایک دو دن کے لئے انتخابی مہم کی سرگرمیاں بند کر سکتے ہیں؟"

"میری جان! میں تمہارے کہنے پر الیکشن لڑنے سے باز آسکتا ہوں۔ بولو کیا چاہتی ہو؟"

"ہم دہلی آگئے ہیں۔ اجمیر یہاں سے دور نہیں ہے۔ آپ ایک دن کے لئے میرے ساتھ وہاں چلیں۔"

"وہاں جاکر کیا ہوگا؟"

"میں خواجہ بابا سے پرارتھنا کروں گی۔ بس ایک بچہ مانگوں گی۔ سینکڑوں سال سے سب مانتے ہیں کہ ان کے دربار سے کوئی سوالی خالی نہیں جاتا۔"

"نرملا! یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دولت مانگنے والوں کو کہیں راستے میں روپے سے بھری تھیلی مل جائے لیکن بچہ مانگنے والی بانجھ کے پیٹ میں بچہ کہاں سے آسکتا ہے؟ تم تعلیم یافتہ اور ذہین ہو۔ جاہل عورتوں جیسا عقیدہ کیوں رکھتی ہو؟"

"عقیدہ رکھا نہیں جاتا۔ خودبخود پیدا ہو جاتا ہے۔ جہاں انسان کی تمام شعوری کوششیں تھک ہار کر ناکام ہو جاتی ہیں۔ وہاں وہ تمام عقلی دلائل کو بھول کر کسی ان دیکھی امداد پر بھروسہ کرتا ہے۔ میں بھی خواجہ بابا پر بھروسہ کرتی ہوں۔"

نجے اس کے عقیدے کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اجمیر تک جانے کے لئے راضی ہوگیا۔ اس نے اپنی مصروفیات میں سے ایک دن نرملا کے لئے وقف کیا۔ اسی رات وہ دونوں ٹرین کے ذریعے اجمیر کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کے لئے فرسٹ کلاس کا ایک کمپارٹمنٹ ریزرو تھا۔ جدھر ٹرین جا رہی تھی' ادھر اجمیر تھا۔ نرملا ادھر منہ کئے فرش پر پالتی مار کر بیٹھ گئی تھی اور اجمیر کی سمت دونوں ہاتھ جوڑ کر خاموشی سے رونا شروع کر دیا تھا۔ اس کے آنسو دعا کی طرح بہہ رہے تھے۔

سنجے کو بڑی ندامت محسوس ہوئی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ دعا بچے کے لئے ہے مگر روتا اپنے مرد کے لئے ہے۔ اس بیوی کو آنے والے جدائی کے دن ابھی سے کھائے جا رہے تھے۔ کیا ضروری ہے کہ دعا قبول ہو؟ سنجے آگے بڑھ کر صرف اتنا کہہ دے۔ "نرملا! دنیا میں کتنے ہی لوگ بغیر اولاد کے جی لیتے ہیں۔ مجھے بچہ نہیں چاہئے۔ ایک بچے کے بہانے پرپتنی نہیں چاہئے۔ میں صرف تمہیں چاہتا ہوں۔"

لیکن وہ ایسا نہیں کہہ سکتا تھا۔ ایسا کہنے کا وقت گزر چکا تھا۔ کیونکہ وہ نرملا کی طرح پرپتی کو بھی محبت کا روگ لگا چکا تھا۔ اگر چھوڑنے کی بات ہوتی تو اس محبوبہ کے آنسو اور شکوے کے سامنے بھی وہ ندامت محسوس کرتا اسے کسی طرف قرار نہیں تھا۔ وہ کمپارٹمنٹ کے ایک برتھ پر منہ ڈھانپ کر سو گیا۔

دوسری صبح نرملا نے اسے جگایا۔ "اٹھ جائیے۔ ہماری منزل قریب آ رہی ہے۔"

وہ اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ اشنان کرنے کے بعد اس نے لباس تبدیل کیا۔ نرملا نے ملازم سے کہا وہ سامان لے کر اجمیر کے ایک ہوٹل میں جائے۔ وہ اپنے پتی کے ساتھ بعد میں آئے گی سنجے نے پوچھا۔ "ہم بعد میں کیوں جائیں گے اور ابھی ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

اتنے میں گاڑی ایک اسٹیشن پر ٹھہر گئی۔ نرملا نے سنجے سے کہا۔ "اب آپ جوتے چپلیں یہیں چھوڑ کر گاڑی سے اتر جائیں۔"

"یعنی کہ ننگے پاؤں پلیٹ فارم پر جاؤں؟ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

وہ گاڑی سے اتر کر پلیٹ فارم پر چلی گئی تھی۔ سنجے کو بھی اس کے پیچھے اترنا پڑا۔ وہ چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ گاڑی فوراً ہی چل پڑی۔ سنجے نے کہا۔ "ارے یہاں کیوں کھڑی ہو۔ کیا گاڑی میں نہیں بیٹھنا ہے؟"

"نہیں۔" وہ بولی۔ "ہم یہاں سے پیدل اجمیر جائیں گے۔"

"کیا پیدل؟" سنجے نے تقریباً چیخ کر پوچھا۔ "اجمیر یہاں سے پچیس میل دور ہے۔"

وہ اپنے پتی کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "شہنشاہ اکبر اولاد مانگنے کے لئے آگرہ سے فتح پور سیکری تک پیدل گئے تھے اور ننگے پاؤں گئے تھے۔ آپ بھی چلیں۔"

سنجے اس کے سامنے ہار کر اسے خوش رکھنا چاہتا تھا۔ وہ پلیٹ فارم سے باہر آیا۔ پھر

اجمیر جانے والے راستے کی سمت دیکھ کر بولا۔ "یا خواجہ غریب نواز! میں اس جلتی دھوپ میں پیدل تیرے در تک آ رہا ہوں تو اس کوکھ جلی کے عقیدے کی لاج رکھنا۔"

وہ چل پڑا۔ نرملا ٹرین کے سفر میں تمام راستے پالتی مارے بیٹھی رہی تھی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر پوجا کے انداز میں اس نے رات سے صبح کر دی تھی۔ اس وقت بھی وہ پچیس میل کا راستہ اپنے شوہر کے ساتھ طے کرنے کے دوران اپنے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھی۔ اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر سنجے سمجھ رہا تھا کہ وہ گھونگھٹ کے پیچھے روتی جا رہی ہے۔

☆------☆------☆

پریتی نے جب سے زملا سے ملاقات کی تھی تب سے وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ زملا سے متاثر ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی باتوں میں' اس کے رکھ رکھاؤ میں اور اس کی شخصیت میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں کہ وہ اپنے ملنے والوں کو جیت لیتی تھی۔ پریتی نے یہ مان لیا تھا کہ وہ ایک مثالی بیوی ہے۔

اب وہ اکثر سوچتی تھی کہ مرد زملا جیسی بیویوں کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر ان کے لئے محبت کیا چیز ہے؟ کبھی وہ حسن کو چاہتے ہیں' کبھی جوانی کو' کبھی وہ اداؤں پر قربان ہوتے ہیں' کبھی چہرے کے ایک ننھے سے تل پر مر جاتے ہیں اور پندرہ برس تک جی جان سے محبت کرنے کے بعد صرف بچہ نہ ہونے کے سبب اس محبت کو طلاق دے دیتے ہیں۔ آخر ان کے پیار کی کسوٹی کیا ہے؟

زملا سے ملنے کے بعد پریتی نے اکثر سوچا "اگر شادی کے بعد میں بھی بچے کے بچے کی ماں نہ بن سکی تو کیا ہوگا؟"

یہ سوچ کر وہ پریشان ہو جاتی۔ جب وہ پندرہ سال........ کی رفیقۂ حیات کو چھوڑ سکتا ہے تو اس سے بھی منہ موڑ سکتا تھا۔ زملا نے بڑی فراخ دلی سے پریتی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ شادی سے پہلے اپنا طبی معائنہ کرا لے۔ ورنہ بانجھ ہونے کی صورت میں اس کا انجام بھی زملا جیسا ہوگا۔

اب اس کے اندر ایک کش مکش تھی کہ اسے اپنا طبی معائنہ کرانا چاہئے یا نہیں؟ ایک تو یہ کہ وہ دنیا کی نظروں میں کنواری تھی۔ ایسا معائنہ بیاہتا عورتوں کا ہوتا ہے۔ اگر اس کا معائنہ ہو بھی جاتا اور نتیجہ میں وہ بانجھ ثابت ہوتی تو کیا وہ ایسی دل توڑنے والی حقیقت کو برداشت کر لیتی؟

نہیں۔ وہ ڈرتی تھی کہ کہیں بچے کی دلہن بننے سے پہلے اسے کھو نہ دے۔ اگر کسی

کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ صبح ہوتے ہی مر جائے گا تو مارے دہشت کے اس سے رات گزاری نہیں جائے گی۔ وہ رات کے ایک ایک لمحہ میں جیتے رہنے کے بجائے مرتے مرتے صبح مر جائے گا۔ اگر اسے موت کی خبر نہ ہو تو وہ ایک رات کو شکم سیر ہو کر کھائے گا۔ گائے گا' ہنسے گا۔ خوب بولے گا بے فکری کی نیند سوئے گا اور صبح تک سہانے خواب دیکھے گا۔ اس کے بعد بلا سے موت آ جائے۔

پریتی بھی سہانے خواب دیکھتے ہوئے سہاگ کی سیج پر پہنچنا چاہتی تھی۔ بعد میں بلا سے وہ بانجھ عورت کی سیج ثابت ہو جائے۔ بہرحال وہ بیرسٹر تھی۔ دل کی عدالت میں وہ ایک عورت کی حیثیت سے زملا کی حمایت کرتی تھی کہ اس بانجھ عورت سے اس کا شوہر نہیں چھوٹنا چاہئے۔ ورنہ یہ ایک مرد کا بہت بڑا ظلم ہوگا لیکن دل کی ایک عدالت میں جذباتی فیصلے بھی ہوتے ہیں۔ ایک فیصلہ یہ تھا کہ یہ مرد کا ظلم نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اولاد کے لئے ایک کو چھوڑ کر دوسری شادی کرے گا۔

پریتی بڑی کش مکش میں دن گزار رہی تھی۔ بچے شہر شہر گھوم کر جب بھی واپس آتا تھا تو ایک رات اس کے ساتھ ضرور گزارتا تھا۔ جب انتخاب کے لئے صرف دو ہفتے رہ گئے تو وہ مصروفیات کے باعث اس سے دور ہوتا چلا گیا۔ یہ اس کی مجبوری تھی۔ انہی دنوں ایک لیڈی ڈاکٹر اس کی مؤکلہ رہ چکی تھی۔ مقدمہ جیتنے کی خوشی میں اس نے ایک شاندار پارٹی دی۔ اس پارٹی میں پریتی مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئی۔ وہاں پُرتکلف کھانا اور ناچ گانا سب کچھ تھا۔ کھانا بہت لذیذ تھا لیکن پریتی نے دو لقمے کھائے تو ناگواری سی محسوس ہوئی۔ یوں لگا کہ اندر کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ اگر تیسرا لقمہ منہ تک لے جائے گی تو ابکائی ہونے لگے گی۔

وہ کھانا چھوڑ کر تیزی سے چلتی ہوئی لیڈی ڈاکٹر کی خواب گاہ میں گئی۔ وہاں سے ملحقہ باتھ روم میں پہنچی۔ پھر واش بیسن کے پاس پہنچتے ہی اسے قے ہونے لگی۔ قے برائے نام تھی۔ مگر متلی ہو رہی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے بیسن پر جھکی رہی۔ اس کا سر ہولے ہولے چکرا رہا تھا۔ کمزوری لگ رہی تھی۔ اسے اپنی پیٹھ پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ لیڈی ڈاکٹر اس کی پیٹھ سہلا رہی تھی۔

پھر وہ اسے سہارا دے کر اپنی خواب گاہ کے بستر پر لے آئی۔ وہاں اس کی بگڑی ہوئی

طبیعت کو سمجھنے کے لئے اس کا معائنہ کیا۔ پھر حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

لیڈی ڈاکٹر نے آہستگی سے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "آپ ماں بننے والی ہیں۔"

پریتی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پہلے تو اسے یقین نہ آیا۔ وہ یقین کرنے کے لئے لیڈی ڈاکٹر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ لیڈی ڈاکٹر نے پوچھا۔ "آپ کی شادی نہیں ہوئی۔ یہ کیسے ہوگیا؟"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ کسی جذبے کی فراوانی سے تمتما رہا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اس کے شانہ کو تھپک کر کہا۔ "آپ نے مقدمہ جیت کر میری عزت رکھ لی تھی۔ میں آپ کو بدنام نہیں ہونے دوں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں پارٹی ختم ہونے کے بعد اس بچے کو.........."

پریتی بستر پر پیچھے کھسکتے ہوئے' لیڈی ڈاکٹر سے دور ہوتے ہوئے تقریباً چیخ کر بولی۔ "نہیں۔ خبردار! اس بچے کے لئے کوئی منحوس بات زبان سے نہ نکالنا۔ یہ میرا بچہ ہے۔ یہ ان کا بچہ ہے۔ وہ سنیں گے تو خوشی سے ناچنے لگیں گے۔"

"کون؟" لیڈی ڈاکٹر نے پوچھا۔

وہ مسرتوں کے ہجوم میں بوکھلا رہی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر کا سوال سن کر سنبھل گئی۔ الیکشن سے پہلے اور شادی سے پہلے وہ سنجے کا نام لے کر اسے بدنام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "یہ نہ پوچھو۔ جب شادی ہوگی تو انہیں دیکھ لینا۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "آپ اتنی بڑی بیرسٹر ہیں۔ کیا اتنا نہیں سمجھتیں کہ مطلب نکلنے کے بعد مرد کسی کا نہیں ہوتا۔ شادی سے پہلے آپ ماں بننے کے لئے اتنی خوش ہو رہی ہے مگر وہ باپ بننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔"

"کیوں نہیں ہوگا؟ وہ تو پندرہ برس سے باپ بننے کے لئے.........."

وہ کہتے کہتے ٹھٹک گئی۔ اسے خیال آگیا کہ اس طرح باتوں کی روانی میں سنجے کا نام آجائے گا۔ وہ بولی۔ "بس اس موضوع پر اب میں بات نہیں کروں گی۔"

لیڈی ڈاکٹر اسے آرام کرنے کا مشورہ دے کر چلی گئی لیکن وہ آرام سے لیٹ نہیں سکتی تھی۔ اس کے اندر بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ جلد از جلد سنجے کو یہ خوشخبری سنانا چاہتی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر سنجے کی کوٹھی کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے نرملا سے رابطہ قائم ہوا۔ اس نے کہا۔ "ہیلو میں پریتی بول رہی ہوں۔ کیا آپ ان سے بات کرا سکتی ہیں؟"

نرملا کا مسرور لہجہ سنائی دیا۔ "اوہ پریتی! کتنے دنوں بعد تم سے رابطہ قائم ہوا ہے۔ وہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔ کوئی پیغام دے سکتی ہو تو دے دو۔"

"وہ کہاں مل سکتے ہیں؟"

"وہ خود نہیں جانتے کہ ایک پل میں یہاں ہیں' دوسرے پل کہاں رہیں گے۔ پریتی! میرا ایک مشورہ مانو گی؟"

"ضرور۔ آج میں بہت خوش ہوں' جو چاہیں' منوالیں۔"

"الیکشن کے لئے صرف پانچ دن رہ گئے ہیں۔ اب تم ان سے نہ ملو۔"

"لیکن ہم تو بہت محتاط ہو کر ملتے ہیں۔"

"پریتی! مخالف امیدوار کو احمق نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کے آدمی سنجے کی کوئی بہت بڑی کمزوری معلوم کرنے کی کوشش میں ہوں گے۔ میں نے سنجے سے وعدہ لیا ہے کہ وہ الیکشن کا نتیجہ ظاہر ہونے تک تم سے نہیں ملیں گے اور نہ ہی فون پر گفتگو کریں گے۔"

پریتی کو یہ بات بری لگی۔ جب سے ماں بننے کے آثار پیدا ہوئے تھے' تب سے سنجے پر اس کا حق زیادہ ہوگیا تھا۔ وہ اس کے ہونے والے بچے کا باپ تھا۔ اب وہ سنجے کو بڑے پیار سے حکم دینے والی تھی کہ الیکشن ختم ہوتے ہی فوراً شادی کی جائے تاکہ بچے کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے لیکن نرملا نے ان کے درمیان دیوار کھڑی کر دی تھی۔

ویسے یہ بات بری لگنے کے باوجود پریتی نے ذہانت سے سوچا کہ نرملا درست کہہ رہی ہے۔ سنجے کی کامیابی کے لئے احتیاط لازمی ہے۔ اگر وہ پانچ چھ دن اس سے ملاقات نہ کرے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ تو جس دن بچے والی خوش خبری سنے گا اس دن نرملا کو طلاق دے کر اس سے شادی کر لے گا۔ "آہ بچاری نرملا.........." پریتی کو اب بھی اس بانجھ عورت سے ہمدردی تھی۔

دوسری طرف سے نرملا کی آواز سنائی دی۔ "کیا سوچ رہی ہو؟ کیا تم کچھ روز خاموش نہیں بیٹھ سکتیں؟"

"ہاں۔ مگر میں انہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔"

"مجھے سنا دو میں انہیں سنا دوں گی۔"

"وہ خوش خبری سن کر آپ کو دکھ پہنچے گا۔"

"میرے پتی کی خوشی سے مجھے کبھی دکھ نہیں پہنچے گا۔"

"آپ ضد کر رہی ہیں تو سن لیں۔ میں سنجے کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"

دوسری طرف چپ لگ گئی۔ پریتی انتظار کرتی رہی۔ پھر کئی سیکنڈ کے بعد اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم؟"

پریتی نے محسوس کیا جیسے نرملا کی آواز آنسوؤں سے بھر گئی ہو۔ وہ بولی۔ "ہاں۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے میرا معائنہ کرنے کے بعد مجھے یقین دلایا ہے۔"

"لیڈی ڈاکٹر نے بچے کے باپ کو پوچھا ہوگا؟"

"ہاں۔ میں نے اسے نہیں بتایا۔ مجھے سنجے کی عزت اور شہرت اپنی عزت سے زیادہ عزیز ہے۔"

"تم بہت اچھی ہو پریتی! میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔"

"آپ شکریہ ادا کرنے کے بدلے ایک مہربانی کریں سنجے تک یہ خوشخبری پہنچا دیں۔"

"میں انہیں بتا دوں گی۔"

اتنا کہتے ہی رابطہ ختم ہوگیا۔ شاید نرملا نے اپنا ریسیور رکھ دیا تھا۔ پریتی کی بے چینی اور بڑھ گئی تھی۔ وہ جلد سے جلد یہ خوشخبری سنجے تک پہنچانا چاہتی تھی۔ بلکہ اسے اپنی زبان سے سنانا چاہتی تھی اور جواب میں اس کی خوشیاں دیکھنا چاہتی تھی اور یہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے وہ رات بستر پر لیٹتے ہوئے اور اٹھ کر بیٹھتے ہوئے گزاری۔ صبح ہوئی تو الیکشن کے لئے چار دن رہ گئے۔ اس نے سوچا' یہ ٹھیک ہے کہ ابھی سنجے سے نہیں ملنا چاہئے۔ مخالف امیدواروں کی چالوں سے بچ کر رہنا چاہئے لیکن دماغ میں ایک سوال پیدا ہوا کہ نرملا نے فون پر سنجے سے باتیں کرنے پر بھی پابندی کیوں لگا دی؟ فون پر باتیں کر لینے سے کوئی ان کے تعلقات کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

اس نے پھر کوٹھی کے نمبر پر سنجے کو کال کیا۔ نرملا نے جواب دیا۔ "وہ نہیں ہیں۔"

"آپ نے بچے والی بات بتائی تھی؟"

وہ ذرا چپ رہی۔ پھر بولی۔ "نہیں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ سنجے.......... بچے کی بات سنیں گے تو ان کا دھیان ہٹ جائے گا۔ وہ انتخابی مہم پر پوری توجہ نہیں دے سکیں گے۔"

پریتی نے ذرا غصے سے کہا۔ "شریمتی نرملا دیوی! آپ باتیں بنا رہی ہیں۔ یہ بچہ میری اور سنجے کی محبت اور شادی کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ ہم دونوں کو زندگی کی سب سے بڑی خوشی اسی بچے سے مل رہی ہے۔ سنجے کا دھیان نہیں بٹے گا اور وہ زیادہ لگن سے انتخابی مہم پر توجہ دیں گے۔ آپ خاموش کیوں ہیں۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ کے چھپانے سے حقیقت چھپ جائے گی؟ آپ ذہین اور معاملہ فہم ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ.........."

وہ بولتے بولتے اچانک رک گئی۔ اسے پتہ چلا کہ وہ روانی میں بولتی چلی جا رہی ہے اور نرملا نے بہت پہلے ہی ریسیور رکھ دیا ہے۔ اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے ریسیور پٹخ دیا۔ جھنجلاہٹ میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ ذرا دیر بعد اس نے اچانک ہی قہقہہ لگایا۔ "اوہ۔ میں تو خواہ مخواہ جھنجلا رہی ہوں۔ جھنجلاہٹ میں تو نرملا دیوی مبتلا ہوں گی۔ وہ کتنا ہی چھپاتی رہیں۔ سنجے کو تو میں جیت رہی ہوں۔"

وہ ذرا مطمئن ہوگئی۔ اس کوٹھی کے باہر سنجے کو ڈھونڈ نکالنا مشکل نہ تھا۔ وہ کہیں بھی پہنچ کر اسے خوش خبری سنا سکتی تھی مگر اب سرعام اس سے مل کر ایک اسکینڈل کو ہوا دینا دانشمندی نہیں تھی۔ ابھی ذرا صبر سے وہ خوش خبری سنانے میں بھلائی تھی۔

اس نے شام کو اور رات کو بھی کوٹھی کے نمبروں پر سنجے کو آواز دی۔ نرملا نے وہی جواب دیا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ چوبیس گھنٹے ٹیلی فون کے پاس بیٹھی رہتی ہے اور سنجے کو ریسیور اٹھانے کا موقع نہیں دیتی ہے۔ وہ رات بھی گزر گئی۔ اب الیکشن میں تین دن رہ گئے تھے۔

وہ اپنے دفتر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک ہی سنجے کی.......... کال آئی۔ پریتی نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر چیخ کر کہا۔ "ہیلو سنجے! آپ کہاں ہیں۔ میں دن رات کوٹھی کے

نمبروں پر آپ کو پوچھتی رہتی ہوں۔"

دوسری طرف سے ریسیور کے ذریعہ بہت شور سنائی دے رہا تھا۔ جیسے وہ کسی اجلاس میں شرکت کرنے کے دوران بول رہا ہو۔ "پریتی! میں اس قدر مصروف ہوں کہ اچھی طرح کھانے اور سونے کا وقت نہیں مل رہا ہے۔ تم سے بہت کچھ کہنا ہے مگر صبر کر رہا ہوں۔"

"آپ صبر کریں مگر میں یہ خوشخبری سنا کر رہوں گی کہ.........."

سنجے نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔ "بس رک جاؤ۔ فون پر کچھ نہ کہنا۔ مجھے نرملا نے بتا دیا ہے پریتی! میں بڑی الجھنوں میں ہوں۔ بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ چار دن تک صبر سے بیٹھی رہو مجھے یقین ہے کہ تم میری مجبوریاں سمجھ رہی ہو گی۔"

دوسری طرف سنجے کے علاوہ اور کسی شخص کی آواز سنائی دی۔ اس سے دور اور کتنے ہی لوگ بول رہے تھے۔ سنجے نے ریسیور رکھ دیا۔ پریتی اپنے ہاتھ میں ریسیور پکڑے سوچتی رہ گئی۔ ٹیلی فون پر مختصری گفتگو میں یہ معلوم ہوا کہ نرملا نے بچے کے متعلق سنجے کو بتادیا ہے لیکن وہ اس قدر مصروف ہے کہ بچہ کوئی خاص خوشخبری کا باعث نہ بن سکا۔ وہ مجبوریاں اور الجھنیں بھی ظاہر کر رہا تھا۔ یوں بھی پریتی سمجھتی تھی کہ جسے پوری طرح کھانے اور سونے کی فرصت نہ مل رہی ہو اسے کس قدر ذہنی پریشانیاں ہوں گی اور ذہنی پریشانیوں کے دوران خوشیاں کوئی خاص رنگ نہیں جماتی ہیں۔

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ سنجے کی مجبوریوں کو سمجھتی تھی۔ اس کے باوجود اس کے اندر کی بے چینی نہیں جا رہی تھی۔ وہ اپنے وجود کے اندر سنجے کے بچے کو پالنے لگی تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ سب مل کر دیوانوں کی طرح خوشیاں منائیں۔ دھرم اور سماج اب اسے ماں بننے کا ایوارڈ دے۔ کیونکہ وہ اس دیش کے لئے سنجے جیسے ذہین اور قابل سیاستدان کے بچے کو جنم دینے والی تھی۔

شام کو دل کی بے کلی نے گھر سے باہر جانے پر مجبور کیا۔ اس وقت رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اس نے سوچا ٹھیک ہے مجھے سنجے سے نہیں ملنا چاہئے لیکن میں نرملا سے مل سکتی ہوں۔ ایک عورت دوسری عورت سے ملے تو کوئی اسکینڈل نہیں بنائے گا۔ میں نرملا سے ملنے جاؤں گی اور وہاں سنجے مل جائیں گے۔ کوٹھی کے اندر کون دیکھنے آئے گا کہ میں

کس سے مل رہی ہوں۔

وہ اپنے ہی سامنے اس کوٹھی میں جانے کا جواز پیش کرتی ہوئی۔ اپنے ہی آپ کو قائل کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ نرملا پہلے تو اسے دیکھتے ہی پریشان ہوئی پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ "آؤ اندر آجاؤ۔"

پریتی نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اندر جانے والے دروازے کی طرف دیکھا۔ نرملا نے کہا۔ "وہ اندر نہیں ہیں۔ کل سے گھر نہیں آئے ہیں۔ شاید ابھی آجائیں۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے صوفے پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ پریتی نے محسوس کیا کہ نرملا پریشان اور فکر مند ہے۔ اس نے پوچھا۔ "سنجے کل سے کیوں نہیں آئے؟"

نرملا نے جواب دیا۔ "یوں تو مصروفیات بہت زیادہ ہیں انہیں گھر آنے کی بھی فرصت نہیں ملتی لیکن وہ کل تک تھوڑی دیر کے لئے ضرور آتے تھے۔ جب سے میں نے بتایا ہے کہ تم ان کے بچے کی ماں بننے والی ہو تو وہ باہر اور زیادہ مصروف ہو گئے ہیں۔ شاید انہیں اس گھر سے دور رہ کر سکون مل رہا ہے۔"

پریتی اندر ہی اندر خوشیوں سے بھر گئی۔ اس کے ہونے والے بچے نے سنجے کو نرملا سے دور کر دیا تھا۔ اس نے سوچا۔ "واقعی وہ میرے پاس آنے اور بچے کی خوشی میں مجھے گلے لگانے کے لئے بے تاب ہوں گے لیکن حالات سے مجبور ہیں۔ اب وہ اس گھر میں بھی نہیں آتے۔ ایک بانجھ بیوی کی قربت ناگوار گزرتی ہوگی۔ بچے سے خالی گھر کو دیکھ کر وحشت سی ہوتی ہوگی۔"

سوچنے کے دوران ملازمہ نے آکر کہا میز پر کھانا لگا دیا گیا ہے۔ نرملا نے پریتی سے کھانے کے لئے کہا۔ پریتی نے جواب دیا۔ "میں ان کا انتظار کروں گی۔"

"وہ مجھ سے کہہ چکے ہیں کہ کبھی کھانے پر ان کا انتظار نہ کیا جائے۔ وہ آج کل باہر سے.......... کھا کر آتے ہیں تم کھانے کے بعد بھی ان کا انتظار کر سکتی ہو۔"

پریتی صوفے سے اٹھ گئی۔ ڈائننگ ٹیبل کی طرف جاتے ہوئے نرملا نے کہا۔ "میں ابھی اپنے کمرے سے آتی ہوں۔"

وہ جلدی سے راستہ بدل کر اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔ پریتی کھانے کی میز کے

پاس آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ سنجے کے گھر میں آکر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کا اپنا گھر ہو۔ مگر وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ جیسے صدیوں سے بچھڑا ہوا تھا۔ دس منٹ کے بعد نرملا واپس آئی۔ پریتی نے دیکھا۔ وہ زرد پڑ گئی تھی۔ اس کے بالوں کا جوڑا کھل گیا تھا اور وہ بڑی کمزور سی لگ رہی تھی۔

پریتی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"

"ہاں۔ کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا۔"

یہ کہہ کر نرملا نے کھانے کی میز پر سے ایک چاندی کی کٹوری اٹھائی۔ پھر اسے اپنے سامنے رکھ کر اس میں سے اچار کا ایک ٹکڑا نکال کر چاٹنے لگی۔ پریتی کے منہ میں پانی آگیا۔ ایسے وقت عورت کھٹے کے لئے للچاتی ہے۔ اس نے چاندی کی دوسری کٹوری اٹھا کر اپنے پاس رکھی۔ پھر اس نے بھی اچار کا ایک ٹکڑا نکالا۔ اسے اپنی زبان پر رکھا۔ پھر ایک دم سے چونک کر نرملا کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "آ.......... آپ رات کو اچار کھا رہی ہیں۔ یہ کھٹا کھانے کا کوئی وقت نہیں ہے۔"

"پھر تم کیوں کھا رہی ہو؟"

"میں تو بچے کی ما.........."

پریتی کی آواز حلق میں اٹک گئی۔ نرملا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں بھی ماں بننے والی ہوں۔"

"نہیں۔" پریتی چیخ کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ آپ بانجھ ہیں۔ پندرہ سولہ برس سے بانجھ ہیں۔"

"اب نہیں رہی۔ بعض بانجھ عورتیں بیس برس کے بعد بھی ماں بن جاتی ہیں۔ قدرت کے تماشوں کو ہم تم نہیں سمجھ سکتے۔ بیٹھ جاؤ۔"

وہ کبھی نہ بیٹھتی لیکن حالات کے اس ڈرامائی انداز سے سر چکرا رہا تھا۔ اس لئے بیٹھ گئی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نرملا کو دیکھتی رہی۔ اب بھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سامنے والی عورت ماں بن سکتی ہے۔ سامنے والی عورت نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "یقین کرو۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے میرا بھی معائنہ کیا ہے میں نے تم سے پہلے یہ خوش خبری ان کو سنائی تھی۔ وہ بہت خوش تھے۔ مصروفیات کے باوجود صبح' دوپہر اور شام کو کھانے

کے لئے ضرور آتے تھے۔ کل جب انہیں پتہ چلا کہ تم بھی.........."

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ جیسے آنسو حلق میں آکر اٹک گئے ہوں۔ پھر وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "جب میں بانجھ تھی تو ان کا جھکاؤ تمہاری طرف زیادہ تھا۔ جب لیڈی ڈاکٹر نے میرے حاملہ ہونے کی تصدیق کی تو انہوں نے خوش ہو کر مجھے گلے لگایا۔ میرے ہونے والے بچے نے اس بات کی ضمانت دے دی تھی کہ مجھے طلاق نہیں ہوگی مگر تمہارے ہونے والے بچے نے میرا اطمینان ختم کر دیا ہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ ایک میز کے اطراف ایک دوسرے کے روبہ رو تھیں۔ دونوں اپنی کوکھ میں ایک ہی مرد کا بچہ لئے بیٹھی تھیں۔ پتہ نہیں وہ مرد کس کی طرف جھکنے والا تھا؟ کس کے حق میں فیصلہ دینے والا تھا۔

نرملا نے کہا۔ "وہ کل سے میرے پاس نہیں آئے۔ وہ مجھے چاہتے ہیں۔ تمہیں بھی چاہتے ہیں اور اب کش مکش میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ اب اولاد کو بنیاد بنا کر مجھے طلاق دینے اور تم سے شادی کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب صاف طور سے انہیں کہنا ہوگا کہ وہ ہم دونوں میں سے کسے زیادہ چاہتے ہیں؟ کس کی ضرورت زیادہ سمجھتے ہیں۔"

پریتی سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ نرملا کی آنکھوں سے آخر آنسو ابل ہی پڑے۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ میں پندرہ برس پرانی ہو چکی ہوں اور تم ابھی تر و تازہ ہو۔ بیوی کے حقوق قانونی ہوتے ہیں لیکن مرد محبوبہ کو حقوق زیادہ دیتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم دونوں قانون داں ہو۔ مجھے طلاق دینے کے کتنے ہی قانونی نکتے نکال لوگے۔"

پریتی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں عورت ہوں اپنے ہاتھوں ایک عورت کا گھر برباد نہیں کر سکتی لیکن میں خود برباد ہو چکی ہوں۔ پہلے میری محبت کا مسئلہ تھا اب میرے بچے کے مستقبل کا سوال ہے۔ میں آپ کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں مگر اپنے بچے کے باپ کا نام کسی کو نہیں دے سکتی۔"

وہ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "دیدی جی! یہ ہمارا نہیں بچوں کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ کو طلاق مل جائے۔ تب بھی آپ کا بچہ قانونی ہوگا اور اس کے باپ کا نام سنجے مکرجی ہی رہے گا۔ اگر سنجے سے میری شادی نہ ہوئی تو میرا بچہ کہیں کا نہ رہے گا۔ آپ کو

صرف اپنے بچے سے ہمدردی نہ ہو۔ تھوڑی ہمدردی میرے بچے سے بھی ہو تو آپ سوچیں کہ انصاف کس بچے سے ہونا چاہئے؟"

اس بار نرملا کا سر جھک گیا۔ پریتی نے کہا۔ "انصاف کرنے والے میرے بچے کو ناجائز کہہ سکتے ہیں لیکن بچہ کبھی ناجائز نہیں ہوتا۔ حرامی وہ نہیں ہوتا اس کے ماں باپ کی حرکتیں.......... ہوتی ہیں۔ سزا کے طور پر مجھے اور نجے کو سولی پر چڑھایا جاسکتا ہے لیکن میرے بچے کو ہر حال میں اس کے باپ کا نام ملنا چاہئے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ کرسی ایک طرف ہٹا کر جانے لگی۔ پھر ڈائننگ روم کے دروازے پر پہنچ کر رک گئی۔ اس نے پلٹ کر نرملا کو دیکھا اور کہا۔ "ہم عورتوں کے سوچنے اور کسی فیصلہ تک پہنچنے سے کیا ہوتا ہے؟ تہذیب کی ابتدا سے ہماری تقدیر مرد کی مٹھی میں رہی ہے۔ہم دونوں نجے کے فیصلے کی محتاج ہیں اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ کس انداز میں فیصلہ کریں گے۔"

نرملا نے مضطرب ہو کر پوچھا۔ "وہ کس انداز میں فیصلہ کریں گے؟"

پریتی نے جواب دیا۔ "انہیں فرض آپ کی طرف لے جائے گا لیکن محبت میری طرف کھینچ کر لاتی رہے گی۔ میں کچھ اور وضاحت سے کہہ دوں کہ اگر نجے الیکشن میں جیت جائیں گے تو میں ہار جاؤں گی۔ کیونکہ وہ عزت اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچ کر ایک حاملہ داشتہ کی خاطر اپنی حاملہ بیوی کو طلاق نہیں دے سکیں گے۔"

خود کو داشتہ کہتے وقت پریتی کے دل کو ٹھیس پہنچی لیکن وہ بولتی رہی۔ "اگر وہ الیکشن میں ہار جائیں گے تو میں جیت جاؤں گی۔ وہ میری خاطر سیاسی اور سماجی سرگرمیاں چھوڑ کر مجھ سے شادی کریں گے اور میرے بچے کو اپنا نام دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے پلٹ گئی۔ پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔ پھر اس نے گھوم کر کہا۔ "یہ الیکشن صرف نجے اور اس کے مخالف امیدوار کے لئے نہیں ہے۔ اس الیکشن میں میں اور آپ نجے کی امیدوار ہیں۔ وہ جیت کر آپ کے ہوں گے اور ہار کر میرے بن جائیں گے۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ الیکشن ہم دو عورتیں لڑ رہی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر چلی گئی۔

☆------☆------☆

پریتی نے دفتر میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ دو ہفتہ تک وہ کوئی مقدمہ ہاتھ میں نہیں لے گی۔ ان دو ہفتوں میں جن مقدمات کی پیشی کے لئے عدالت سے تاریخیں دی گئی تھیں۔ انہیں آگے بڑھانے کے لئے اس نے عدالت میں درخواست دے دی تھی۔ ابھی دل اور دماغ قابو میں نہیں تھے۔۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر نجے کو ان تین دنوں میں جیت لے گی تو شادی کے بعد ہنی مون منانے کے لئے دو ہفتوں کی چھٹی لازمی ہوگی اور اگر اسے ہار جائے گی تب بھی رونے ماتم کرنے اور سنبھلنے کے لئے دو ہفتے کی مہلت ضرور ہوگی۔

کوئی کام نہ کرنے کے باوجود وہ اس خیال سے دفتر آئی تھی کہ شاید پھر نجے کا فون آجائے اور دوسرے دن فون آہی گیا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر اس کی آواز سنی تو دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پریتی! پچھلی رات میں نے نرملا کو فون کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ تم وہاں گئی تھیں۔ میں دو دنوں سے بہت پریشان ہوں۔ کل رات تم نے نرملا سے جو کچھ کہا۔ اسے سن کر میری پریشانیاں کچھ کم ہو گئیں ہیں۔"

پریتی نے کہا۔ "میں نے نرملا دیوی سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ میری کس بات سے آپ کی پریشانیاں کم ہو گئیں؟"

اس نے جواب دیا۔ "یہی کہ جیتنے کے بعد نرملا کا ہی رہوں گا اور ہارنے کے بعد تمہارا بن جاؤں گا۔ تم نے اپنے خیال کے مطابق نرملا کو.......... یہ فیصلہ سنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر انداز میں میں فیصلہ نہیں کر سکوں گا۔"

پریتی نے پوچھا۔ "میں آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ کیا آپ کو یہ سن کر خوشی نہیں ہوئی؟"

"میں اپنی خوشی بیان نہیں کر سکتا۔ یقین کرو کہ اس الیکشن سے میری دلچسپی ختم ہو گئی ہے۔ میں ہار جانا چاہتا ہوں۔ میں صرف تمہیں جیتنا چاہتا ہوں تم سے ہونے والے بچے کو مکمل تحفظ دینا چاہتا ہوں۔"

وہ بولی۔ "الیکشن میں آپ کی کامیابی سے مجھے اور بچے کو نقصان پہنچے گا۔ پھر بھی میں آپ کی کامیابی چاہتی ہوں۔ کاش کوئی ایسی صورت ہوتی کہ میں ناکامی سے مر جاتی مگر میرے بچے کو آپ کا نام مل جاتا۔"

"ایسا ممکن نہیں ہے پریتی! میں سوچ سوچ کر پریشان ہوں کہ تم سے شادی نہ کر سکا

تو ساری عمر تمہاری اور بچے کی بدنامی کا باعث بنا رہوں گا۔"

"ہم سے بڑی سنگین غلطی ہوگئی۔ ایسی غلطی کی سزا کسی کو نہیں ملتی اور کسی کو ملتی ہے۔ میں انتظار کروں گی کہ مجھے کیا ملتا ہے اور کیا نہیں ملتا؟ ایک بات آپ یاد رکھیں۔ اگر فیصلہ نرملا دیوی کے حق میں ہوا تو پھر آپ میری طرف کبھی رخ نہیں کریں گے۔ کبھی اپنی آواز بھی مجھے نہیں سنائیں گے۔"

"ایسا نہ کہو پریتی! میں سوچ رہا ہوں کہ بیوی نہ بنا سکا تو ممبر بننے کے بعد تمہیں پرسنل سیکرٹری بنا کر اپنے قریب رکھوں گا۔"

"پرسنل سیکرٹری کے بچے کا کیا بنے گا؟ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں بیوی نہ بن سکی تو سیکرٹری کے بہانے داشتہ بن کر رہوں گی۔ کیا اتنے عرصے میں آپ نے یہی میرے مزاج کو سمجھا ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ میں بیوی بننے کا خواب دیکھتے ہوئے خود کو آپ کے حوالے کرنے کی حماقت کرتی رہی۔ اس حماقت کی سزا مجھے ہی ملے گی۔ آپ مجھے داشتہ بنائے رکھنے کی بات کہہ کر میری توہین تو نہ کریں۔"

"سوری پریتی! میں تمہیں قریب رکھنے کی کتنی ہی الٹی سیدھی تدبیریں سوچتا رہتا ہوں۔ صرف تمہاری محبت میں ایسی غلط بات کہہ گیا۔ آئندہ محتاط رہوں گا۔"

"ہماری زندگی میں آئندہ تین دن ہی رہ گئے ہیں۔ تین دن بعد یا تو آپ ہمیشہ کے لئے مجھے اپنا لیں گے یا پھر کبھی اپنی صورت نہیں دکھائیں گے۔ ابھی آپ وعدہ کریں۔"

ایک طویل سانس چھوڑنے کی آواز آئی۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا وعدہ کرتا ہوں۔ مجھے اب اجازت دو اور الیکشن میں میری ناکامی کی دعا مانگتی رہو۔"

سلسلہ منقطع ہوگیا۔ پریتی ریسیور رکھ کر نجے کو تصور میں دیکھنے لگی۔ اس سے جو گفتگو ہوئی تھی۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس نے نرملا کے متعلق بات کی مگر اس سے ہونے والے بچے کو نظر انداز کرتا رہا اور پریتی سے ہونے والے بچے کے تحفظ کی بات کرتا رہا۔ یعنی نرملا اس کے بچے کی ماں بن کر بھی اسے جیت نہیں سکتی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر پریتی کی حکومت تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ الیکشن میں کامیابی کے بعد وہ نرملا کے ساتھ رہنے پر مجبور ہو جاتا۔

یہ بات درست تھی کہ وہ الیکشن دو عورتیں لڑ رہی تھیں۔

آخر الیکشن کا دن طلوع ہوگیا۔ وہ صبح سے پریشان ہونے لگی۔ آج رات تک اس کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اس نے پروگرام بنایا تھا کہ مکمل نتیجہ نشر ہونے تک وہ اپنی خواب گاہ میں رہے گی اور ٹی وی کو آن رکھے گی۔ ہاں ووٹ ڈالنے کے لئے البتہ باہر جانا پڑا۔

ووٹرز بوتھ کے اندر جاتے وقت اس کے ہاتھ میں ایک قیمتی ووٹ کی پرچی تھی۔ دل تیزی سے دھڑک دھڑک کر سمجھا رہا تھا۔ "پریتی! ذرا سوچ سمجھ کر' اگر تم نجے کے حق میں ووٹ دو گی تو وہ ووٹ تمہارے خلاف ہوگا۔ تم نجے کے مخالف امیدوار کو ووٹ دے کر کامیاب ہو سکتی ہو۔"

لیکن محبت محبوب سے ہوتی ہے محبوب کے عروج سے ہوتی ہے' زوال سے نہیں ہوتی۔ وہ نجے کے حق میں اور اپنی مخالفت میں ووٹ دے کر بوتھ سے باہر آگئی۔ اب وہ انجام کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ جو ہونا ہے وہ ہوتا رہے گا۔ اس نے سوچا کہ وہ کچھ نہیں سوچے گی اور کچھ نہیں سوچنے کی بات سوچتی رہی۔

وہ اپنی خواب گاہ میں کبھی اٹھ رہی تھی کبھی بیٹھ رہی تھی اور کبھی ٹہل رہی تھی۔

ٹھیک سات بجے شام کو ٹی وی کے اناؤنسر نے کہا۔ "ناظرین! جیسا کہ آپ جانتے ہیں حلقہ نمبر ۲ میں نجے مکرجی اور گوپال کھوٹے کے درمیان مقابلہ ہوا ہم اس کا نتیجہ پیش کر رہے ہیں۔"

پریتی صوفے پر بیٹھ گئی۔ صوفے کے ہتھوں کو اس نے دونوں طرف سے مضبوطی سے جکڑ لیا تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اناؤنسر.......... لاکھوں ناظرین اور کروڑوں سامعین کو ایک کنواری ماں کی تقدیر کا فیصلہ سنا رہا تھا کہ آج کے بعد اس کا بچہ جائز کہلائے گا۔ یا پھر ماں کی کوکھ ہی اس بچے کا مقبرہ بن جائے گی۔

اناؤنسر نے کہا۔ "ابتدائی نتیجہ کے مطابق شریمان گوپال کھوٹے نے اب تک دو لاکھ اکیس ہزار تین سو پچھتر ووٹ حاصل کئے ہیں اور شریمان نجے مکرجی کے حصے میں دو لاکھ چودہ ہزار آٹھ سو پچاس ووٹ آئے ہیں۔ اس گنتی کے مطابق شریمان گوپال کھوٹے نے تین فیصد ووٹ زیادہ حاصل کئے ہیں۔"

پریتی کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی تقدیر

کا فیصلہ فیصد کے حساب سے سنایا جارہا ہو اور لاکھوں کروڑوں لوگ اسے ایک ایک ووٹ کی بھیک دے رہے ہوں۔ دھیرے دھیرے بتا رہے ہوں کہ سنجے کے ساتھ وہ رہے گی یا نرملا؟

سنجے تین فیصد ووٹوں سے ہار رہا تھا۔ اس بات کا اسے دکھ ہوا لیکن یہ تقدیر کا فیصلہ تھا۔ پریتی کے سر سے جیسے کوئی بوجھ اتر گیا تھا۔ اس کے اندر ایک انگڑائی مچلنے لگی۔ اس نے انگڑائی لی تو بھوک لگنے لگی۔ یاد آیا کہ اس نے فکر اور پریشانی میں صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ گھر میں ڈبل روٹی رکھی ہوئی تھی۔ وہ ٹی وی کا ساؤنڈ بڑھا کر انڈا پوچ کرنے کے لئے کچن میں چلی گئی۔

ٹی وی کی آواز کچن تک پہنچ رہی تھی۔ کبھی گانے اور ہنسی مذاق کا پروگرام پیش کیا جاتا تھا اور کبھی الیکشن کے نتائج پیش کئے جاتے تھے۔ رات کے دس بجے بھی گوپال کھوٹے تین فیصد کی برتری حاصل کررہا تھا۔ پریتی بے اختیار گنگنا رہی تھی۔ وہ خوش نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن مقدر اسے خوش کررہا تھا۔

رات کے ایک بجے تک اسی فیصد ووٹ گنے جاچکے تھے۔ گوپال کھوٹے اب بھی ڈھائی فیصد کی برتری حاصل کر رہا تھا۔ سنجے مکرجی کی شکست طے شدہ تھی۔ پریتی لباس تبدیل کرنے لگی۔ اس نے سنگھار کیا۔ بہترین ساڑھی پہنی۔ آخری نتیجہ سنتے ہی وہ سنجے سے اپنی کامیابی کی مبارک باد حاصل کرنے کے لئے اس کی کوٹھی کی طرف جانے والی تھی۔

دو بج کر چالیس منٹ پر اچانک ہی اناؤنسر چیخنے لگا "بھارتی پارلیمنٹ کے انتخابات میں یہ حیرت انگیز مقابلہ ہے۔ دہلی سے موصول ہونے والے آخری نتیجے کے مطابق مسٹر سنجے مکرجی نے مسٹر گوپال کھوٹے کو ایک فیصد ووٹوں سے شکست دے دی ہے۔ ہم مسٹر سنجے مکرجی کو کامیابی کی مبارکباد دیتے ہیں۔"

فیصلہ ہوگیا۔ پریتی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اسکرین پر سنجے کی تصویر دکھائی جارہی تھی لیکن پریتی کی آنکھوں میں اتنے آنسو تھے کہ وہ تصویر' وہ ٹی وی اور آس پاس کی دنیا دھندلا رہی تھی۔

اس نے آہستہ آہستہ ساڑھی اتار دی۔ تقدیر نے اب اسے کنگال کردیا تھا۔

اس نے جوڑا کھول دیا۔ جوانی کی بھول اب بال کھول کر رلائے گی۔

ٹی وی کو بند کردیا۔ کیونکہ سنجے کی صورت آئندہ نہ دیکھنے کی بات طے پاچکی تھی۔

اب وہ کیسے زندگی گزارے گی؟ اب اس بچے کا کیا بنے گا؟ اب یہ سارے مسائل اس کے اپنے تھے۔ اسے بچے کے ساتھ جینا تھا۔ یا مرنا تھا۔ یہ فیصلے دوسرے دن بھی ہوسکتے تھے۔ ابھی سنجے کی اچانک جدائی برداشت نہیں ہورہی تھی۔ دل کٹ رہا تھا۔ وہ آخری بار اپنے محبوب سے لپٹ کر رونا چاہتی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میلے کپڑوں کی باسکٹ کے پاس گئی۔ وہاں سے اس نے سنجے کی قمیض اور پاجامہ نکال کر پہن لیا۔ کپڑے پہن......... کر دوڑتی ہوئی آئی اور بستر پر اوندھے منہ گر کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

☆------☆------☆

وہ اچانک ہی تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی تھی۔ اب آنے والے دن اس کے منہ پر تھوکتے ہوئے گزرنے والے تھے۔ وہ ایک بیرسٹر کی حیثیت سے بڑی محبت اور ذہانت سے اپنا کیریئر بناتی آئی تھی۔ اب اس کے تمام کیریئر پر ایک گناہگار کے منہ کی طرح کالک پھرنے والی تھی۔ وہ بچہ جو پیار کا انعام ہوتا۔ وہ اب گالی بن کر اس کی کوکھ سے جنم لینے والا تھا۔

اس رات وہ روتے روتے سو گئی۔ دن کے دس بجے آنکھ کھلی تو دل کو دھچکا لگا۔ اس کا بستر سنجے کے بھاری بھرکم وجود سے خالی تھا اور اب ہمیشہ خالی رہے گا۔ ایک دم سے یوں لگا جیسے وہ بستر کی طرح اندر سے بالکل خالی ہوگئی ہے۔ سنجے اس بستر کے سارے ارمان سارے سپنے اس کے اندر سے نوچ کرلے گیا ہے۔ ایک بن بیاہی عورت کے لئے یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ اس سے اس کی سیج کے سارے سپنے چھین لئے جائیں۔

وہ پھر رونے لگی۔ پتہ نہیں کیوں رونا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ جیسے اوپر سے کوئی بوجھ اتر رہا ہو۔ وہ کبھی آہیں بھر کر چپ ہوجاتی اور کبھی پھر رونا شروع کردیتی۔ دوپہر تک یہ سمجھ میں آگیا کہ کوئی اس کے آنسو پونچھنے نہیں آئے گا بلکہ آنسو دیکھنے بھی نہیں آئے گا۔ جب وہ چند ماہ بعد گھر سے نکلا کرے گی تو لوگ اس کے آنسو نہیں' اس کا پیٹ دیکھا کریں گے۔

وہ بے اختیار اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھی۔ اس کے وجود کے اندر سنجے کی نشانی کہیں چھپی ہوئی تھی اور ہاں وہ پرورش پا رہی تھی۔ ابھی پیٹ پر ہاتھ رکھنے سے اس کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ ابھی تک صرف ایک ہی لیڈی ڈاکٹر نے سراغ لگایا تھا کہ بچہ ہے اور وہ بچہ اب صرف پریتی کا تھا۔ اسے کسی باپ کا نام نہیں ملنے والا تھا۔

وہ یہ سوچتے ہوئے آنسو پونچھنے لگی کہ رونا تو ساری زندگی کا ہے لیکن سب سے پہلے اس بچے کا تحفظ ضروری ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے اشارتاً کہا تھا کہ وہ اس بچے کو ضائع کر سکتی ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی اور پریتی کی عزت رہ جائے گی۔ وہ پھر سے غیر شادی شدہ کہلائے گی۔

سنجے نے محبت کی ایسی مار ماری تھی کہ اب غیر شادی شدہ کہلوانے کا شوق نہیں رہا تھا۔ وہ محبوبہ کی حیثیت سے ہار چکی تھی لیکن ماں کی حیثیت سے اولاد کو ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بچہ اس کی ہاری ہوئی محبت کا سرمایہ تھا۔ اب وہ اسی طرح جیت رہی تھی کہ سنجے جانے کے باوجود اس کے اندر سے نہیں گیا تھا۔ وہ ہر حال میں اس بچے کا تحفظ چاہتی تھی۔ اسے جنم دے کر دوسرا سنجے بنانا چاہتی تھی اور ایسا کرنے کے لئے اس بچے کو ایک باپ کا نام دینا ضروری تھا۔

تو پھر اسے کس باپ کا نام ملے گا؟ کیسے ملے گا؟ اگر ملے گا تو اسے بچے کا باپ بنانے سے پہلے اپنا شوہر بنانا پڑے گا اور یہ بات ایسی تھی کہ سوچنے سے اس کے عورت پن کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ ایک تو اس نے ستائیس برس تک شادی کے متعلق سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ اپنے ملک کی نامور بیرسٹر بننا چاہتی تھی۔ ناموری کے لئے سنجے کا سہارا لیا تو اس کے آگے سب کچھ ہارتی چلی گئی۔ وہ کوئی بازاری عورت تو تھی نہیں کہ ایک کے بعد دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتی۔ وہ سنجے کے بعد اپنی ذات پر کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اسی سوچ میں سارا دن ساری رات گزر گئی کہ شادی کے بغیر اس کے بچے کو باپ کا نام اور دنیا میں جائز مقام کیسے ملے گا؟ اسے جلد سے جلد فیصلہ کرنا تھا۔ وہ سوچنے میں جتنے دن ضائع کرتی' اپنی اور بچے کی بدنامی مقدر بناتی جاتی لیکن اسے یوں لگ رہا تھا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو گئی ہیں۔ اگر وہ کسی سے مشورہ نہیں لے گی تو ذلت کی پستیوں میں گرتی چلی جائے گی۔

وہ اپنی اس متوکلہ لیڈی ڈاکٹر کے پاس پہنچ گئی۔ وہی ایک عورت اس راز کو جانتی تھی۔ اس نے پریتی کی ساری جانچنے کے بعد کہا۔ "پریتی جی! میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ یہ مرد کس کے؟ مطلب نکلا کھسکے۔ میں جھوٹ نہیں بولتی۔ میرے پاس آئے دن ایسے درجنوں کیس آتے ہیں اور میں ان لڑکیوں کو ماں بننے سے نجات دلا دیتی ہوں۔"

پریتی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "مانا آپ بہت بڑی بیرسٹر ہیں اور میں قانون کے خلاف ایسے کام کرتی ہوں مگر یہ تو سوچیں کہ میں کتنے گھرانوں کی عزت رکھ لیتی ہوں میرے سینے میں ہزاروں راز دفن ہیں اور آپ کا راز بھی میرے ساتھ میری چتا تک جائے گا۔"

پریتی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میں یہاں اپنی ممتا کا گلا گھونٹنے نہیں آئی ہوں۔ میں اس بچے کی سلامتی کے لئے تم سے مشورہ لینے آئی ہوں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا۔ "آ۔ آپ اسے ضائع نہیں کریں گی؟ آپ اسے جنم دیں گی؟"

"ہاں۔ ہر حال میں جنم دوں گی۔"

"پریتی جی! آپ کوئی گمنام ہستی نہیں ہیں۔ آپ کی عزت ہے' شہرت ہے۔ یہاں سے دلی تک عدالتوں میں آپ کے نام کا رعب اور دبدبہ ہے۔ کیا آپ.........."

پریتی نے بات کاٹ کر کہا۔ "میں یہ سب کچھ داؤ پر لگاؤں گی۔ تم عورت ہو۔ یہ سوچو کہ اپنی آبرو دے کر جس بچے کو حاصل کیا ہے' وہ میرے لئے کتنا اہم ہوگا۔"

لیڈی ڈاکٹر بدستور حیرانی سے اس کا منہ تک رہی تھی۔ وہ بولی۔ "میں تم سے مشورہ لینے آئی ہوں کہ میرے بچے کو ایک باپ کا نام کیسے ملے گا؟ میں بہت الجھی ہوئی ہوں۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا ہے۔"

"آپ مجھے اس آدمی کا نام بتائیں' جس نے آپ کو تباہ کیا ہے۔"

"اس کا نام میرے ساتھ میری چتا تک جائے گا۔"

"اوہ۔ آپ اب بھی اس کی عزت رکھ رہی ہیں۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی آپ اسے اس قدر چاہتی ہیں۔"

"میں چاہت کا حساب کرنے نہیں' اپنے بچے کی سلامتی کے لئے کوئی راستہ

ڈھونڈنے آئی ہوں۔"

"ایک ہی راستہ ہے' آپ جلد سے جلد شادی کرلیں۔ جو بھی شوہر ہوگا۔ وہ حقیقت کو سمجھ نہیں پائے گا۔ ایک مرد نے آپ کو دھوکا دیا۔ آپ دوسرے مرد کو دھوکا دینے کا حق رکھتی ہیں۔ ہم اپنی دنیا میں فریب کھائے اور فریب دیئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔"

"میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ ایک کے بعد دوسرے مرد کا سایہ بھی مجھے ناگوار گزرے گا۔ کیا اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی؟"

لیڈی ڈاکٹر ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے سوچنے لگی اور بڑبڑانے لگی۔ "بڑی مشکل ہے۔ شادی کے بغیر بچہ جائز نہیں ہوگا۔ آپ سندر ہیں۔ جوان ہیں اور مرد بڑے نڈر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آپ سے ہمدردی کے لئے تیار بھی ہوا تو آپ کو آپ سے وصول کئے بغیر اس بچے کا باپ بننے کے لئے راضی نہیں ہوگا۔ پھر یہ کہ کسی کو بتانا ہی نہیں ہے کہ آپ پہلے سے حاملہ ہیں اور آپ کسی مرد کو......... اپنے پاس برداشت نہیں کرنا چاہتیں بڑی مشکل ہے۔ بات کیسے بنے گی؟"

وہ بڑبڑانے کے دوران رک گئی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "ایک تدبیر ہے کسی بہت ہی بوڑھے اور بالکل ہی ناکارہ آدمی سے آپ شادی کر سکتی ہیں۔ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

پریتی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "دنیا والے ایسے بھی احمق نہیں ہیں جو بالکل ہی بوڑھا اور ناکارہ ہوگا۔ اس سے شادی کے بعد کوئی ماں کیسے بن سکے گی۔"

"ہاں۔ یہ دنیا والے سوچ سکتے ہیں۔" وہ صوفہ پر بیٹھ کر بولی۔ "پھر کیا کیا جائے؟ اچھا کسی ایسے شخص سے شادی کریں جو سخت بیمار ہو اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہ ہو۔"

پریتی نے پوچھا۔ "ایسا شخص اپنی زندگی کی فکر میں ہوگا جس کی نبض ڈوب رہی ہو۔ وہ لگن منڈپ میں سات پھیرے بھی نہیں لگا سکے گا۔ پٹ سے گر کے مر جائے گا۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ بے تکے انداز میں سوچ رہی ہو۔"

لیڈی ڈاکٹر اچانک صوفہ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ خوش ہو کر بولی۔ "آگئی تدبیر۔ فرسٹ کلاس تدبیر ہے۔ آپ بیرسٹر ہیں نا......... آپ جانتی ہوں گی کہ جیلخانے کے

اندر کتنے مجرم پھانسی پانے والے ہیں۔ بس کسی ایک پھانسی پانے والے سے شادی کرلیں۔ وہ شوہر بنے رہنے کے لئے زندہ نہیں رہے گا۔"

پریتی نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بیزاری سے کہا۔ "ڈاکٹر شیلا! بھگوان کے لئے مجھے گڑھے میں گرنے کا مشورہ نہ دو۔ اول تو ایک پھانسی پانے والے سے ہونے والی شادی مضحکہ خیز بن جائے گی۔ پھر یہ کہ میں اپنے بچے کو کیا قاتل باپ کا نام دوں گی؟ نہیں کبھی نہیں۔"

ڈاکٹر شیلا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "پریتی جی! ایسے ہی لوگوں کے متعلق سوچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کوئی شریف آدمی ناجائز بچے کا باپ بننا یا آپ کا دکھاوے کا شوہر بننا پسند نہیں کرے گا۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ڈاکٹر شیلا نے فون کے پاس جا کر ریسیور اٹھایا پھر کسی سے باتیں کرنے لگی۔ پریتی سوچ میں ڈوب گئی۔ اب اس کے ساتھ یہ ہو رہا تھا کہ وہ بچے کا مسئلہ حل کرنے کے لئے جب بھی سوچنا شروع کرتی تو بچے نگاہوں کے سامنے آکر مسکرانے لگتا۔ پہلے وہ مسکراتا تھا تو پریتی کے لبوں پر بھی بے اختیار مسکراہٹ آجاتی تھی۔ پھر وہ چونک کر آس پاس دیکھنے لگی تھی کہ کوئی اسے تنہائی میں خواہ مخواہ مسکراتے ہوئے تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ اب وہ تصور میں آکر مسکراتا تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو آنے لگتے۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھتے ہوئے ٹیلی فون کی طرف دیکھا کہ کہیں ڈاکٹر شیلا نے اس کی آنکھوں میں آنسو تو نہیں دیکھ لئے۔

ڈاکٹر شیلا فون پر باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ پتہ نہیں اس کی گفتگو کے دوران کون سا ایسا لفظ آیا کہ پریتی کو اس لفظ کے حوالے سے ایک مقدمہ یاد آگیا۔ وہ ایک جوان عورت کا مقدمہ تھا۔ عورت اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہتی تھی اور شوہر اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ آخر عورت نے بھری عدالت میں کہہ دیا تھا کہ وہ شوہر بننے کے قابل نہیں ہے۔

مرد کی گردن شرم سے جھک گئی تھی۔ اس کے وکیل نے کہا کہ عورت جھوٹ کہتی ہے میرے موکل کا طبی معائنہ کرایا جا سکتا ہے وکیل کے اس دعوے پر وہ شخص پریشان ہو گیا تھا اور اس نے طبی معائنہ کرانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس مقدمہ کی تفصیل یاد آتے

ہی پریتی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ڈاکٹر شیلا نے بات ختم کرنے کے بعد ریسیور کو رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹھئے کہاں جارہی ہیں؟"

پریتی نے اسے اس مقدمہ کی روداد سنانے کے بعد کہا "مجھے اس شخص سے شادی کرنا چاہئے۔"

ڈاکٹر شیلا نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ اگر وہ دوبارہ شادی کے لئے راضی ہوجائے تو شوہر کے بجائے سہیلی بن کر رہے گا۔"

"شیلا! میرے ساتھ ابھی دفتر چلو۔ وہاں کسی فائل میں اس شخص کا پتہ موجود ہے۔ مجھے یاد آیا اس کا نام راجیش ہے۔ تم چاہو تو اسے شادی کے لئے راضی کرسکتی ہو۔ لیکن اسے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ پیش کش میری طرف سے ہے۔"

"پریتی جی! میں اتنی نادان نہیں ہوں۔ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں اسے الو بنا کر آپ کے ساتھ سات پھیرے لگوادوں گی۔"

ان دونوں نے اسی وقت دفتر جاکر راجیش کا پتہ نوٹ کیا پھر ڈاکٹر شیلا نے کہا "آپ یہیں دفتر میں بیٹھیں۔ میں راجیش کے پاس جارہی ہوں۔ کہیں سے فون کرکے بتاؤں گی کہ اس کے ساتھ میری ملاقات کیسی رہی۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ پریتی اپنے دفتر میں بیٹھ کر ٹیلی فون کی طرف حسرت سے دیکھنے لگی کیونکہ اسی ٹیلی فون پر بچے سے باتیں ہوتی تھیں اور اس سے ملاقات کا وقت اور مقام مقرر ہوا کرتا تھا۔ جب گفتگو ختم ہوجاتی تو وہ رابطہ ختم کرنے سے پہلے ادھر سے ریسیور کو چومتا۔ ادھر یہ شرماجاتی۔

وہ سوچتے سوچتے سب کچھ بھول کر شرمانے لگی۔ اچانک ہی فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔ وہ گھبرا کر آس پاس دیکھنے لگی۔ کسی نے اسے شرماتے تو نہیں دیکھا ہے؟ نہیں دفتر میں کوئی نہ تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو!"

دوسری طرف سے بچے کی آواز سنتے ہی کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ریسیور ہاتھ سے چھوٹنے ہی والا تھا مگر وہ سنبھل گئی۔ ریسیور سے آواز آرہی تھی۔ "پریتی! یہ تم ہو نا؟"

وہ چپ رہی۔ اس نے التجا کی۔ "بولو پریتی! میں تمہارے لئے فکر مند ہوں۔ تم نے مجھے بدنام نہ کرکے جو احسان کیا ہے۔ اس کے آگے میری گردن جھک گئی ہے۔"

پریتی نے دل میں کہا۔ آہ! میں اپنی محبت کو رسوائی سے بچا رہی ہوں اور یہ غیروں کی طرح احسان مان رہے ہیں۔ اف! یہ مرد کتنی جلدی پرائے بن کر بولنے لگتے ہیں۔"

وہ زبان سے کچھ نہ بولی۔ وہی بول رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں' تم کیسے فولادی ارادے کی مالک ہو۔ اس بچے کو سلامت رکھو گی۔ اگر تم میری ایک تجویز مان لو تو میں تم اور نرملا تینوں مل کر اس بچے کی پرورش کریں گے۔ بولو میری تجویز مان لوگی؟"

بڑی دیر بعد وہ بولی۔ "میں نے کہا تھا کہ آئندہ آپ اپنی آواز نہیں سنائیں گے۔"

"میں تمہیں مخاطب کرنے پر مجبور ہوں۔ سنو! میں نے اور نرملا نے بڑی اچھی پلاننگ کی ہے اگر تم ایک سال کے لئے یہ شہر چھوڑ دو تو نرملا دور ایک علاقہ میں تمہاری رہائش کا انتظام کردے گی۔ پھر وہ خود اپنی زچگی کے وقت تمہارے پاس آجائے گی۔ اس کے حساب سے دو تین ہفتے کے وقفے سے تم اور نرملا بچوں کو جنم دوگی پھر وہاں سے ہم اپنے رشتے داروں کو اطلاع بھیجیں گے کہ نرملا نے دو بچوں کو جنم دیا ہے۔"

"اور اس طرح وہ میرے بچے کو بھی لے کر چلی جائیں گی؟"

"ہاں۔ اس طرح تمہارا فائدہ ہے۔ ایک تو اس بچے کو میرا نام مل جائے گا۔ دوسرے تم بدنامی سے بچ جاؤ گی۔"

"اور آپ کے خیال میں سارے مسائل حل ہوجائیں گے؟"

"ہاں پریتی! تم خود غور کرو۔"

"آپ غور کریں۔ آپ نے میرے خوابوں کی تعبیر چھین لی۔ میرا اچھوتا پن چھین لیا۔ اب میرے بچے کو بھی چھین کر نرملا دیوی کی گود میں پہنچانا چاہتے ہیں۔ میرے پاس ایک جان رہ گئی ہے اسے کیوں نہیں لے لیتے۔"

"پریتی میں تمہاری عزت کی خاطر.........."

"میری عزت ہے کہاں؟ آپ نے تو اس کی دھجیاں اڑادیں۔ آپ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو میری عزت کی خاطر نہیں' محبت کی خاطر کریں۔ اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ محبت میں جو قربانیاں میں نے دی ہیں۔ کیا آپ دے سکتے ہیں؟ میں مانتی ہوں کہ آپ ذہین سیاست دان ہیں مگر میرے بچے کو مجھ سے چھین لینے کی سیاست پر عمل نہ کریں۔ آپ کو مایوسی ہوگی۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اسے بنجے سے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس نے اس کے ہونے والے بچے کو اپنا نام اور اپنا تحفظ دینے کی تدبیر سوچ لی تھی لیکن پریتی کے احساسات و جذبات کو بالکل بھول چکا تھا۔ پہلے اس نے محبوبہ کی محبت کو کچلا۔ اب اس سے بچہ لے کر اس کی ممتا کو کچلنا چاہتا تھا۔

فون کی گھنٹی پھر چیخنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ بنجے بول رہا ہوں۔

"پریتی! میں مجبور ہوں کہ تم سے براہ راست مل نہیں سکتا اور فون پر تمہیں سمجھا نہیں سکتا کہ میں کس قدر خلوص دل سے تمہیں بدنامی سے بچانا چاہتا ہوں۔ میں خود غرض نہیں ہوں۔ میں.........."

"آپ زیادہ نہ بولیں۔ میں خود کو بدنامی سے بچانا جانتی ہوں۔ میں اپنے بچے کے ساتھ عزت سے زندہ رہ کر دکھاؤں گی۔ میں اور میرا بچہ آپ کے محتاج نہیں رہیں گے۔ آپ محبت نہیں دے سکتے۔ میں بھیک نہیں لے سکتی۔ بھگوان کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دیجئے۔ آئندہ آپ کو فون پر میری آواز سنائی نہیں دے گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ذرا سی دیر میں پھر گھنٹی سنائی دی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر آواز سنی بنجے بول رہا تھا۔ اس نے کچھ سنے اور جواب دیئے بغیر پھر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ پریتی بڑی دیر تک سوالیہ نظروں سے ٹیلی فون کو گھورتی رہی۔ پھر وہ بے اختیار ریسیور کو اٹھا کر چومنے لگی۔ اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

ساری عمر کا رونا ہو۔ تب بھی کوئی آٹھوں پہر رو نہیں سکتا روتے روتے تھک جاتا ہے۔ پریتی تھک کر چپ ہوگئی۔ دو گھنٹے کے بعد پھر ٹیلی فون نے شور مچایا۔ پھر دل کی دھڑکنیں پاگل ہونے لگیں۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر شیلا رازدارانہ انداز میں بول رہی تھی۔

"پریتی! آج رات میں نے راجیش کو کھانے پر اپنے ہاں بلایا ہے۔ آپ ابھی سے میرے ہاں پہنچ جائیں۔ میں وہاں اطمینان سے ساری باتیں بتاؤں گی۔"

پریتی نے پوچھا۔ "کچھ معلوم تو ہو کہ میرا کام بنے گا یا نہیں؟"

"بنے گا۔ وہ تو آپ کی بڑی عزت کرتا ہے اس کی باتوں سے پتہ چلا کہ وہ کچھ رومانی انداز میں آپ کو چاہتا ہے۔ سچ بولتی ہوں' ایک دم بانس کی طرح سیدھا ہے۔ بڑی جلدی شیشے میں اتر جائے گا۔ بس اب آپ آئیں گی تو باتیں ہوں گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ راجیش کے متعلق سوچنے لگی۔ "کیا وہ اتنی جلدی شادی کے لئے راضی ہو جائے گا؟ وہ تو کہے گا اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ چار چھ ماہ بعد دھوم دھام سے شادی ہوسکتی ہے۔ پھر میں کیا کہہ سکوں گی؟"

ایک گھنٹہ بعد اس نے ڈاکٹر شیلا کے ہاں پہنچ کر اس سے یہی سوال کیا۔ شیلا نے جواب دیا۔ "پریتی جی! میں نے راجیش سے پوچھا تھا کہ کورٹ میں طلاق ہونے کے بعد اس نے دوسری شادی کیوں نہیں کی؟ اس نے جواب دیا کہ اس طلاق کے مقدمہ کے بعد اس کی بڑی بدنامی ہوئی ہے۔ اس کی برادری اور جان پہچان والوں میں کوئی اسے لڑکی نہیں دیتا ہے۔"

پریتی نے پوچھا۔ "جب وہ شادی کے قابل نہیں ہے تو شادی کیوں کرنا چاہتا ہے؟"

"اپنا بھرم رکھنے کے لئے۔" شیلا نے تلخی سے کہا۔ "یہ دنیا اوپر سے ڈھول ہے۔ اندر سے پول ہے میرے پاس ایسے کھوکھلے مریض علاج کے لئے آتے ہیں' جو اوپر سے بالکل نارمل اور صحت مند نظر آتے ہیں اور رازداری کے سلسلہ میں بھاری فیس ادا کرتے ہیں۔ میں آپ کو مشورہ دیتی ہوں کہ راجیش سے شرمانے یا جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ آج ہی اپنی شرائط پر شادی کی بات چھیڑ دیں۔"

"میں۔ مگر میں اپنی زبان سے اپنی شادی کی بات کیسے کر سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں کر سکتیں۔ بھئی وہاں شرمایا جاتا ہے جہاں سچ مچ کسی کو شوہر بنانا ہوتا ہے۔ وہ تو ایک ڈمی ہوگا۔ اپنی پچھلی بھول کو چھپانے کے لئے وہ ایک پردہ ہوگا۔ پردے سے کیا پردہ کرنا؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو مگر یہ عجیب سا لگتا ہے۔ میری ہمت نہیں پڑے گی۔"

"پریتی جی! اگر آپ نے ہمت نہ کی اور راجیش ہاتھ سے نکل گیا تو اپنے بچے کو جائز بنانے کے لئے ایسا آدمی کہیں نہیں ملے گا۔ سوچ لیں ابھی وقت ہے۔"

وہ سوچتی رہی۔ خود کو بے شرمی سے باتیں کرنے پر آمادہ کرتی رہی۔ اپنے آپ کو سمجھاتی رہی کہ عورت' مرد سے بے دھڑک باتیں کرلیتی ہے۔ وہ بھی تو ایک سیکل جیسا

ہوگی بھلا اس سے کیا شرمانا؟

جب وہ رات کو کھانے پر آیا تو پریتی اسے دیکھتے ہی ذرا مرعوب ہو گئی کیونکہ وہ ایک قد آور' صحت مند اور خوبرو جوان تھا۔ چونکہ مرد تھا۔ اس لئے صنف مخالف کو متاثر کرنے والا مرد ہی نظر آرہا تھا۔ خواہ وہ حقیقتاً کتنا ہی کھوکھلا کیوں نہ ہو۔ ڈاکٹر شیلا نے دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرایا۔ پھر انہیں ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

راجیش نے پوچھا۔ "شریمتی جی! آپ نے مجھے پہچانا؟ میں وہی راجیش ہوں' جس کی سابقہ بیوی ارونا کی وکالت آپ نے کی تھی اور میری مخالفت میں آپ وہ مقدمہ لڑ رہی تھیں۔ آخر طلاق ہو ہی گئی۔"

"مجھے یاد ہے۔ اس ایک سال میں آپ کافی بدل گئے ہیں۔ اچھے صحت مند ہو گئے ہیں۔"

پریتی نے موضوع بدلنا چاہا مگر راجیش نے کہا۔ "عدالت میں ارونا نے جو بیان دیا تھا اس سے میری بڑی بدنامی ہوئی۔ میرا کیریئر تباہ ہو گیا۔"

"آپ مرد ہیں۔ پھر سے اپنا کیریئر بنا سکتے ہیں۔ آپ شادی کر لیں۔ ساری بدنامی دھل جائے گی۔"

"اب مجھ سے کوئی شادی نہیں کرے گی۔"

"آپ خوبرو اور اسمارٹ ہیں۔ کوئی شادی کیوں نہیں کرے گی؟"

اس سوال پر وہ ذرا ہچکچایا پھر جھجکتے ہوئے بولا۔ "کیا آپ سے شادی کی درخواست کر سکتا ہوں؟"

"آں۔ ہم۔ مجھ سے؟"

پہلے پریتی کے لئے یہ مسئلہ تھا کہ خود ہی شادی کی بات کیسے چھیڑے؟ اب راجیش نے خود ہی بات چھیڑ دی تو وہ بے اختیار جھینپنے لگی۔ آخر عورت تھی۔

"جی ہاں۔" راجیش نے کہا۔ "دیکھئے نا! ابھی آپ نے اپنی زبان سے میری تعریف کی ہے کہ میں خوبرو اور اسمارٹ ہوں۔ جب میں اتنا اچھا ہوں تو آپ کو انکار نہیں ہونا چاہئے۔"

اس نے بے اختیار اپنے سر پر آنچل رکھ لیا۔ پھر سوچنے لگی۔ "یہ کیا حماقت ہے؟ میں کیوں شرما رہی ہوں۔ اس سے کوئی شرمانے کا رشتہ تو نہیں ہے۔ اگر رشتہ ہوگا تب بھی وہ شوہر نہیں محض ایک سائن بورڈ ہوگا۔"

وہ بولا۔ "شاید آپ سوچ رہی ہوں گی کہ پہلی ہی ملاقات میں شادی کی بات نہیں ہوتی۔ مانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوتا لیکن میرے حالات میں ایسا ہونا تعجب کی بات نہیں ہے جس نے بھی میرے سامنے دوسری شادی کا ذکر چھیڑا' میں نے اس سے یہی کہا کہ مجھ سے شادی کرلو۔ یا کہیں کرادو اور آپ کی بات تو سب سے مختلف ہے۔ پہلی بار عدالت میں آپ کو دیکھ کر میں نے سوچا تھا کاش میری بیوی ارونا کی جگہ آپ ہوتیں۔"

"آپ نے ایسا کیوں سوچا تھا؟"

"مجھے آپ کے چہرے سے آپ کے دل کی گہرائی کا اندازہ ہوا تھا۔ آپ کی شہرت اور صلاحیتوں نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ آپ بہت گہری ہیں۔ میں ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں جو اپنے مرد کے راز کو راز رکھے۔ ارونا کی طرح بھری عدالت میں کیچڑ نہ اچھالے۔"

پریتی نے اپنے یقین کے لئے پوچھا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ میں آپ کے راز کو ہمیشہ چھپا کر رکھوں گی؟"

"ہاں ہمارے دیس میں آپ جیسی عورتیں زیادہ ہیں جو خود پر الزام لے لیتی ہیں مگر اپنے مرد پر الزام نہیں آنے دیتیں۔"

وہ چونک کر راجیش کو دیکھنے لگی۔ کیونکہ اس نے اتنی سی بات میں پریتی کے کردار کی خصوصیات پیش کر دی تھیں۔ اس نے بچے پر الزام نہیں آنے دیا تھا۔ پریتی کو شبہ ہوا کہ راجیش کو اس کے اور بچے کے تعلقات کا علم ہے؟ کیا وہ بچے کے بارے میں جانتا ہے؟

راجیش کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس نے اندازے سے یہ بات کہہ دی تھی۔ ڈاکٹر شیلا نے آکر کہا۔ "کھانا تیار ہے۔ آپ دونوں میز پر آجائیں۔"

وہ تینوں ڈائننگ روم میں آکر میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ راجیش نے کھانا شروع کرتے ہوئے شیلا سے کہا۔ "ڈاکٹر! میں نے پریتی جی سے شادی کی درخواست کی ہے۔ کیا

آپ میری سفارش کریں گی؟"

شیلا نے کہا۔ "کمال ہے۔ پریتی جی خود بھی شادی کے متعلق سوچ رہی تھیں مگر فیصلہ نہیں کرپا رہی تھیں۔"

"فیصلے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟"

شیلا نے جواب دیا۔ "یہی کہ پریت جی کے پاس اتنے مقدمات ہوتے ہیں کہ انہیں شادی کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ بڑی مشکل سے انہوں نے دو ہفتے کی فرصت حاصل کی تھی' جس میں سے پانچ دن گزر گئے۔ اب نو دن کے اندر یہ کسی سے شادی کے لئے کہیں گی تو یہ دوسرے کے لئے مضحکہ خیز بات ہوگی۔"

راجیش نے کہا۔ "میرے لئے یہ بات مضحکہ خیز نہیں ہوگی۔ کیونکہ میں خود جلد سے جلد شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے اپنی بدنامی اور برداشت نہیں ہوتی۔"

شیلا نے پوچھا۔ "کیوں پریتی جی! آپ کا کیا خیال ہے؟"

"آں؟" وہ پریشان ہو کر بولی۔ "میں کیا کہوں؟ یہ کیسی بچوں جیسی بات لگتی ہے کہ ابھی ملاقات ہوئی۔ اتنی جلدی ایک دوسرے کو پسند کیا اور ابھی شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو جائے۔ میں کچھ سوچنا سمجھنا چاہتی ہوں۔"

راجیش نے کہا۔ "جو لوگ سوچنے سمجھنے کے بعد اور ایک عرصہ تک ایک دوسرے کو پسند کرنے کے بعد شادی کے خواب دیکھتے ہیں اول تو ان کی شادی نہیں ہوتی اور ہوتی ہے تو ناکام ہو جاتی ہے۔"

پریتی بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئی۔ اس نے بھی ایک عرصہ تک شادی کا خواب دیکھا تھا۔ راجیش نے کہا۔ "میری اور اروناکی مثال سامنے ہے اور محبت کی شادی ایک جوا ہے۔ ایسی کئی شادیوں کو میں ناکام ہوتے دیکھ چکا ہوں۔ میاں بیوی کو زندگی گزارنے کے دوران ہار جیت کا پتہ چلتا ہے۔ جیت گئے تو دونوں آباد' ورنہ برباد.........."

شیلا نے حمایت کی۔ "راجیش ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ ہاں کہہ دیں۔"

پریتی نے کہا۔ "ایک موقعہ پر جو بات ٹھیک لگتی ہے' دوسرے موقع پر وہی بات غلط ہو جاتی ہے۔ مجھے اچھی طرح سوچ لینے دو۔ تاکہ میں خود کو بعد میں الزام نہ دوں کہ میں نے اچھی طرح غور نہیں کیا تھا۔ میں کل تک جواب دے دوں گی۔"

سوچنے کے لئے اس نے ایک دن کی مہلت لے لی۔ وہ تو راجیش کے حالات ایسے تھے کہ دنیا والوں کا منہ بند کرنے کے لئے جلد از جلد شادی کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ ایسی جلد بازی کی شادیاں مضحکہ خیز ہی لگتی ہیں۔ راجیش کے جانے کے بعد شیلا نے اسے سمجھایا۔ "آپ خواہ مخواہ سوچنے میں ایک دن ضائع کردیں گی۔ کیا آپ جلد سے جلد بچے کا تحفظ نہیں چاہتی ہیں؟"

"چاہتی ہوں مگر یہ مرد بڑے شکی ہوتے ہیں۔ میں فوراً ہی راضی ہو جاتی تو وہ سوچتا کہ اسے پھانسا جارہا ہے۔"

"اس کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ ارے یہ تو اس کی خوش قسمتی ہے کہ بیٹھے بٹھائے ایک بچے کا باپ بن جائے گا۔"

"اگر اس نے بچے کے باپ کا کھوج لگایا تو؟"

"تو صاف صاف کہہ دینا کہ کام نہ دیکھو نام دیکھو۔ تمہارا ہی نام ہوتا رہے گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے جب یہ بات چلے گی تو میں ایسا ہی جواب دوں گی پہلے سے بولنا مناسب نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ باپ کی حیثیت سے اپنا نام نہ کرنا چاہے اور بدک جائے۔ اس طرح بنتا ہوا کام بگڑ جائے گا۔"

وہ اپنے گھر جانے کے لئے وہاں سے اٹھ گئی۔

شادی کے بغیر بچے کا مسئلہ حل نہ ہوتا اسے راجیش کو پتی بنانے کے لئے ہاں کہنا ہی تھا۔ دوسرے دن اس نے ہاں کہہ دی۔ پھر راجیش کے ماں باپ اور بہنیں آگئیں۔ انہوں نے پریتی کو اتنا پسند کیا کہ اسے گلے لگالیا۔ بزرگوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ راجیش نے اپنے گھر والوں کو سمجھایا کہ ایک ہفتہ کے اندر شادی نہ ہوئی تو پریتی کو دو سال تک مقدمات.......... سے فرصت نہیں ملے گی۔ گھر والے راضی ہو گئے۔ انہوں نے جوتشی مہاراج کے ہاں جاکر شبھ گھڑی نکالی اور پانچویں دن شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

وہ پانچ دن پریتی کے لئے قیامت بن گئے۔ اس کے اندر عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ جیسے اندر دھواں بھر گیا تھا۔ باہر نہیں نکل رہا تھا۔ وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر کر رہی تھی۔ وہ نجے کے علاوہ کسی کو پسند نہیں کرسکتی تھی لیکن راجیش کو جیون ساتھی بنانے پر مجبور ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر شیلا اور اس کے گھر والے دلہن کی طرف سے شادی کی

تیاریاں کر رہے تھے۔ دلہن کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔

کئی بار پریتی کے دل میں آیا کہ اس شادی کی خبر ججے تک پہنچائے مگر اس نے ضبط سے کام لیا۔ ججے اب کون لگتا تھا کہ شادی کی خبر بھیجی جاتی پھر یہ کہ اگر وہ خوشامد کرتا۔ محبت کا واسطہ دیتا کہ وہ شادی نہ کرے۔ اس کے بچے کو دوسرے باپ کا نام نہ دے تو شاید وہ پگھل جاتی۔ شاید راجیش سے شادی کرنے کا فیصلہ کمزور پڑ جاتا۔ اس طرح بچے کا مستقبل پھر تاریک نظر آنے لگتا۔ اس لئے اس نے ججے کو اطلاع نہیں دی۔

لیکن دو چار دنوں تک دفتر میں جاکر ضرور بیٹھتی تھی۔ دماغ کے چور گوشے میں یہ بات تھی کہ کسی طرح پتہ چلے گا تو وہ ضرور فون پر اس سلسلے میں کچھ باتیں کرے گی۔ چوتھے دن اخبار پڑھتے سے معلوم ہوا کہ ججے اپنے عہدے کا حلف اٹھانے کے لئے دہلی گیا ہوا ہے۔ پریتی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

☆------☆------☆

وہ سہاگ کی سیج پر گھونگھٹ نکالے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ نرم و گرم سیج پر یہاں سے وہاں تک تازہ پھول مہک رہے تھے اور وہ باسی تھی۔

اسے بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ وہ دلہنوں کی طرح کیوں بیٹھی ہے۔ راجیش سچ مچ کا دولہا بن کر ابھی ضرور آئے گا لیکن وہ سچ مچ کا شوہر نہیں ہوگا۔ اس کا اس سے میاں بیوی کا رشتہ نہیں ہوگا۔ پھر یوں بیٹھے رہنا سراسر حماقت ہے۔

اس کا گھونگھٹ اٹھانے والا ججے نہیں تھا۔ اس لئے وہ اپنے ہاتھوں سے گھونگھٹ اٹھا کر سیدھی بیٹھ گئی۔ اپنے اطراف سر گھما کر دیکھنے لگی.......... دولہا دلہن کا کمرہ بڑی خوب صورتی سے اور بڑے مہنگے آرائشی سامان سے سجایا گیا تھا۔ پریتی کے ضمیر نے ملامت کی۔ راجیش نے بڑی دھوم دھام سے شادی کی تھی۔ اپنی دولت پانی کی طرح بہادی تھی۔ وہ جیسا بھی ہو اسے بیوی بنا کر رکھنے کے لئے ہی شادی کا جشن منا رہا تھا اور پریتی اسے کسی حال میں شوہر کا مقام دینا گوارا نہیں کرتی تھی۔

وہ سیج سے اتر کر نیچے آگئی۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔ باہر کی تازہ ہوا اس کے چہرے کو چھونے لگی۔ وہ کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ کھڑکی کے باہر رنگ برنگے قمقمے روشن تھے۔ شامیانے کے سائے میں ناچنے گانے کی آوازیں آ رہی تھیں کوئی طوائف مجرا پیش کر رہی تھی۔ پریتی نے سوچا۔ "اچھا ہے کہ راجیش نہ آئے۔ ساری رات دوستوں کے درمیان بیٹھ کر طوائف سے بہلتا رہے اور میں سہاگن بن کر راجیش کی سیج پر لیٹ کر جاگتی آنکھوں سے ججے کا سپنا دیکھتی رہوں گی۔"

لیکن راجیش آگیا۔ پریتی نے دروازے کے پاس آہٹ سنی تو دل دھک سے رہ گیا۔ کچھ بھی ہو پہلی بار دلہن بنی تھی' وہ عورتوں والی گھبراہٹ ضرور ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ ایک دم سے ساکت ہو کر کھڑکی کے باہر منہ کئے آہٹیں سنتی رہی۔ دروازہ

بند ہونے کی آواز سنائی دی تھی پھر قالین پر قدموں کا بھاری پن محسوس ہوا۔ اس نے اندازہ کیا کہ وہ پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔

"پریتی!" اس نے پیار بھری سرگوشی میں پکارا۔

وہ چپ رہی۔ جیسے پتھر کی ہو گئی ہو۔ راجیش کھڑکی کے پاس آ کر اس کے برابر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "شاید گھونگھٹ میں تمہیں گھٹن سی ہو رہی تھی۔ اس لئے یہاں آ گئیں۔"

"نہیں۔" وہ بڑی آہستگی سے بولی۔ "مجھ پر گھونگھٹ نہیں جچتا۔ اس لئے میں نے خود ہی اٹھا دیا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"وہی کہہ رہی ہوں۔ جو ہمارے رشتے کا تقاضا ہے۔" وہ پلٹ کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔ اس کی طرف سے منہ پھیر کر بولی۔ "ارونا نے بھری عدالت میں تمہارا......... مذاق اڑایا تھا۔ اس کے بعد تمہیں کہیں رشتہ نہیں ملتا تھا۔ میں نے تم سے شادی کر کے تمہارا بھرم رکھ لیا۔ تم بھی اسے اچھی طرح سمجھتے ہو کہ ہمارے درمیان صرف بھرم رکھنے والا رشتہ ہے۔"

"بھرم رکھنے والا رشتہ؟" راجیش نے پہلے تو حیرانی سے پوچھا۔ پھر کہا۔ "اوہ سمجھا تم نے دنیا والوں کے سامنے ارونا کی بات کو جھوٹ ثابت کرنے کے لئے دوسرے لفظوں میں میرا بھرم رکھنے میری عزت رکھنے کے لئے مجھ سے شادی کی ہے۔"

"ہاں یہی بات ہے۔"

"اوہ پریتی! پھر تو تم عظیم ہو۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ایسے آدمی سے شادی کر کے ساری زندگی خواہشوں کی آگ میں جلتی رہو گی۔ تم نے انسانی ہمدردی کی بہت بڑی مثال پیش کی ہے۔ تمہاری جتنی بھی عزت کی جائے وہ کم ہے۔"

پریتی تھکے ہوئے انداز میں سیج کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ وہ مطمئن تھی کہ وہ سہاگ کی سیج نہیں ایک اسٹیج ہے' جہاں وہ دونوں جھوٹ موٹ میاں بیوی کا رول ادا کریں گے اور ایک ندی کے......... دو کنارے بن کر زندگی گزاریں گے۔

وہ قریب آتے ہوئے بولا۔ "لیکن اب تم میری دھرم پتنی بن گئی ہو۔ اس لئے سچ بتا

دوں کہ ارونا نے عدالت میں جھوٹ کہا تھا۔"

پریتی نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟ وہ بھلا جھوٹ کیسے کہہ دیتی اور اگر کہا تھا تو تم نے اتنے بڑے جھوٹ کو کیسے تسلیم کر لیا تھا؟"

وہ بستر کے کنارے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ "مجبوری تھی۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "ایسی بھی کیا مجبوری تھی کہ تم نے مرد ہو کر اس کا اتنا بڑا الزام اپنے سر لے لیا؟"

"پریتی! میرے پاس بیٹھو۔ تم میری بیوی ہو۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"نہیں پہلے بتاؤ۔ یہ کیسا بھیانک مذاق ہے۔ کیا عدالت میں وہ مقدمہ بازی بھی ایک مذاق تھی؟"

"نہیں۔ وہ سچ مچ طلاق لینا چاہتی تھی اور اس نے لے لی۔ میں اسے بہت چاہتا تھا۔ میرے ماتا پتا بھی کہتے تھے کہ......... بہو خاندان کی عزت ہے۔ طلاق لے گی تو بڑی بدنامی ہو گی لیکن وہ بضد تھی۔ مقدمہ شروع ہوا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ ایک امیر زادے کی محبت میں گرفتار ہے اور مجھ سے نجات حاصل کر کے اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

اس نے سیج پر پڑے ہوئے ایک پھول کو اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "دنیا والوں کی موجودگی میں قانونی شادی کے باوجود مرد عورت کا رشتہ پائیدار نہیں ہوتا۔ عورت پرائے مرد کی طرف اور مرد پرائی عورت کی طرف بھٹک جاتے ہیں۔ ارونا کو بہکانے والے پر مجھے بہت غصہ آیا۔ میں نے اس امیر زادے کے پاس پہنچ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "کمینے! تو میرے گھر میں آگ لگا رہا ہے۔ ہمارے خاندان میں کبھی کسی نے کسی کو طلاق نہیں دی اور تو ذلیل کمینے..........."

میں اسے بے تحاشا گالیاں دینے لگا۔ اتنے میں ارونا وہاں پہنچ گئی۔ اس نے اپنے پریمی کی حمایت میں کہا۔ "جب بات عدالت تک پہنچ گئی ہے تو تم ہماری محبت پر اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو؟"

اس کے پریمی نے کہا۔ "ارونا! اس نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو میرے سامنے ایسی گالیاں دو کہ یہ ساری زندگی یاد کرے۔ تم اسے جھوٹ دو گی تو میں طلاق کے بعد تم سے شادی نہیں کروں گا۔"

اروما نے نفرت سے کہا۔ "میں کل عدالت میں اسے بتاؤں گی۔ اس نے صرف تمہاری نہیں ہماری محبت کی بھی توہین کی ہے۔ تم جاؤ میں راجیش سے ایک آخری فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اروما نے اپنے پرس سے ایک کاغذ نکال کر مجھے پڑھنے کو دیا۔ وہ ایک محبت نامہ تھا اور اسے میری چھوٹی بہن نے اپنے محبوب کے نام لکھا تھا۔ اسے پڑھ کر معلوم ہوا کہ ہمارے خاندان کی عزت مٹی میں ملنے والی ہے۔ میری بہن بدنامی کی حد تک عشق میں مبتلا ہو گئی تھی۔

اروما نے کہا۔ "تمہاری بہن میری سہیلی بنی رہی۔ میں اسے بدنام نہیں کروں گی۔ اس کے لکھے ہوئے تمام خطوط واپس کردوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ تمہیں عدالت میں میری گالی سن کر اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ نہیں کرو گے تو تمہاری بہن کو پورے خاندان کے لئے ایک بدترین گالی بنادوں گی۔"

"وہ چلی گئی۔ پریتی تم اس کی وکالت کر رہی تھیں۔ تم نے بھی دیکھا کہ اس نے مجھے کیسی گالی دی۔ میں مجبور تھا۔ میں نے گالی کو برداشت کرتے ہوئے طبی معائنے سے انکار کردیا۔ اروما اپنی زبان کی دھنی نکلی۔ طلاق کے بعد اس نے میری بہن کے لکھے ہوئے تمام خطوط واپس کردیئے۔ ان خطوط کو جلا کر ہم نے دو ماہ کے اندر ہی بہن کی شادی کردی۔ ہمارا خاندان بدنامی سے بچ گیا لیکن میں آج تک بدنام ہوتا آیا ہوں۔ پریتی! اب تمہیں پالینے کے بعد یہ بدنامی بھی دھل جائے گی۔"

پریتی دو قدم دور ہٹ گئی۔ حیرانی اور پریشانی سے آنکھیں پھاڑ کر راجیش کو دیکھنے لگی۔ اس نے کیا سمجھا تھا اور کیا نکلا؟ کیا ہماری دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں' جو اپنی بہن کے لئے اپنے خاندان کے لئے دعا بننے کے لئے بظاہر گالی بن جاتے ہیں۔

راجیش عظیم قد آور اور قابل پرستش مرد تھا کوئی رشتہ نہ ہوتا تو پریتی اس کی پوجا کرتی مگر رشتہ ایسا ہو چکا تھا کہ اب وہ بدحواس ہو رہی تھی۔ اس نے سرکس کے رنگ ماسٹر کی طرح یہ سمجھ کر شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالا تھا کہ دانت نہیں ہوں گے مگر وہ دانت والا نکلا تھا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے پسینے میں نہا گئی۔

راجیش نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے تم بہت زیادہ پریشان نظر

آرہی ہو؟ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم مجھ سے گھبرا رہی ہو' کترا رہی ہو۔"

"آں۔ ہاں۔" وہ بڑی مشکل سے تھوک نگل کر بولی۔ "م۔ میں نے شادی کرنے کے لئے شادی نہیں کی ہے۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"وہ۔ میں نے سمجھا تھا کہ تمہیں اپنا بھرم رکھنے کے لئے ایک رازدار بیوی کی ضرورت ہے اور مجھے بھی ایک ساتھی کی ضرورت تھی جو صرف دکھاوے کا شوہر بن کر رہے۔ میں۔ میں سچ مچ کسی کی بھی بیوی بن کر نہیں رہ سکتی۔"

اب راجیش حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا تم نے مجھے ڈھال بنا کر رکھنے کے لئے شادی کی ہے؟"

پریتی نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر جھکا لیا۔ وہ بولا۔ "تم قانون داں ہو کر ایسا کر رہی ہو۔ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ صرف ڈھال بنایا جاؤں۔"

وہ منہ پھیر کر بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ جسے ڈھال بنا رہی ہوں۔ وہ تلوار ہے۔ یہ سب کچھ غلط فہمی میں ہوا ہے۔"

راجیش نے پوچھا۔ "اب کیا ہوگا؟"

پریتی پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ اب کیا ہو سکتا ہے؟ راجیش پہلی بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔ مجھے بھی شادی کی رات طلاق دے گا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا اور میں ایسی کم ظرف نہیں ہوں کہ اس کی مزید بدنامی کا سبب بن جاؤں۔ پھر یہ کہ مجھے اپنے بچے کی قانونی سلامتی چاہئے۔ میں کیا کروں؟ اسے چھوڑ کر اور کتنی شادیاں کروں؟ کیا تماشہ بن جاؤں؟

اسے سوچ میں غرق ہوتے دیکھ کر راجیش نے پوچھا۔ "کیا اروما کی طرح تم بھی کسی سے محبت کرتی ہو؟"

وہ راجیش کو دیکھنے لگی۔ جواب دینے سے ہچکچانے لگی۔ اروما نے بیوی بن کر دوسرے سے عشق کیا تھا۔ پریتی سوچنے لگی۔ "میں بھی بیوی بن کر دوسرے کے عشق میں مبتلا ہوں۔ یہ بات راجیش کا کلیجہ چھلنی کردے گی۔ آخر یہ انسان ہے۔ کتنی بے وفائیاں برداشت کرے گا؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں۔ میں کسی سے محبت نہیں کرتی مگر مجھ سے ایک غلطی ہو چکی ہے۔"

"کیسی غلطی؟"

وہ ذرا چپ رہی لیکن چپ رہنے سے وہ غلطی چھپ نہیں سکتی تھی۔ آج نہیں تو کل اسے ظاہر ہونا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بولی۔ "میں۔ میں ماں بننے والی ہوں۔"

راجیش ایک قدم پیچھے ہٹنے کے وقت لڑکھڑایا اور گرتے گرتے بستر کے سرے پر بیٹھ گیا۔ تمام باتیں اس کی سمجھ میں آگئی تھیں کہ پریتی نے اسے ڈھال سمجھ کر کیوں قبول کیا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا اور وہ منہ چھپائے رو رہی تھی۔ آہ! وہ سہاگ رات اپنے اعمال کے حساب کی رات بن گئی تھی۔

وہ دونوں بہت دیر تک خاموش رہے پھر وہ بولا۔ "پریتی! بیٹھ جاؤ۔ تھک جاؤ گی۔ میں نے کہا تھا نا کہ شادی ایک جوا ہے۔ میاں بیوی کی زندگی گزارنے کے بعد ہار جیت کا پتہ چلتا ہے اور میں دوسری بار ہار گیا۔"

وہ ایک صوفے پر سمٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں شرمندہ ہوں۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا اور تمہارے لئے ایک مصیبت بن گئی۔ تم خاندانی لوگ ہو۔ میری بھی عزت اور شہرت ہے۔ طلاق ہم دونوں کے لئے بہت زیادہ بدنامی لائے گی۔"

"میں ارونا کو طلاق نہیں دینا چاہتا تھا۔ تمہیں بھی نہیں دوں گا۔ مجھ میں اب ذلت اور رسوائی برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے اور اگر تم طلاق لینا چاہو گی تو میں خودکشی کرلوں گا۔"

"میں طلاق نہیں لوں گی مگر میرے بچے کا کیا ہوگا؟"

"تم طلاق نہیں لے کر مجھ پر احسان کرو گی۔ میں بچے کا باپ بن کر احسان کا بدلہ چکاؤں گا۔"

پریتی نے کہا۔ "ہمارے درمیان یہ سمجھوتہ ایک راز بن کر رہے گا۔ کسی تیسرے کو اس کا علم نہیں ہوگا۔"

"تیسرے کو علم ہے۔" راجیش نے کہا۔ "اور وہ تیسرا شخص بچے کا اصل باپ ہے۔

جب ہم رازدار ہی ٹھہرے تو کیا تم اس شخص کا نام بتاؤ گی؟"

پریتی کی نگاہوں کے سامنے بنجے مسکرانے لگا۔ ہائے وہ کیسا شخص تھا۔ اپنی شخصیت کی چھاپ لگا کر اس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا لیکن میں اس کی عزت رکھوں گی۔

راجیش نے اسے سوچتے دیکھ کر پوچھا۔ "اگر تم نہیں بتانا چاہتیں نہ بتاؤ۔"

وہ بولی۔ "اس کا نام لینے سے میرا دل دکھے گا اور تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور اس کی جھوٹی شرافت کا بھرم رہ جائے گا۔ راجیش! کچھ ایسے مرد ہوتے ہیں جن کی عزت عورتوں کی عزت سے زیادہ نازک ہوتی ہے۔ نام لیتے ہی چکنا چور ہو جاتی ہے۔"

وہ بنجے کو تصور میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیوں ٹھیک ہے نا؟"

راجیش نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اب میں نام نہیں پوچھوں گا۔"

اس وعدہ کے ساتھ وہ کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ اس کے اندر جو ایک آگ بجھنے والی تھی' اب وہ اور بھڑکنے لگی تھی۔ کھڑکی کے باہر سے آنے والی ٹھنڈی ہوائیں اسے بجھا نہیں سکتی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ شراب کی بوتل کھول کر بیٹھ جائے پھر اس قدر پیتا رہے کہ سہاگ رات کو بھول جائے اور شوہر بنا کر جذبات کا مذاق اڑانے والی ارونا اور پریتی صبح تک یاد نہ آئیں۔

لیکن وہ شادی کا گھر تھا۔ اگر وہ پینے کے بعد صبح دیر تک پڑا سوتا رہتا تو یہ بھید کھل جاتا کہ اس نے صرف شراب کی بوتل کے ساتھ رات گزاری ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سہاگ کے اس قید خانہ سے کیسے باہر نکلے؟ باہر رشتے داروں کا چہرہ تھا اور اندر قیامت کی رات گزارنا تقریباً ناممکن تھا۔

وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اس نے پریتی سے کہا کہ وہ سو جائے لیکن وہ صوفے پر سر جھکائے بیٹھی رہی اور راجیش کی بے چینی کو سمجھتی رہی۔ اس بے چارے پر جو ظلم ہو رہا تھا۔ اس کی ذمہ دار خود کو سمجھتی رہی۔ اس نے اپنے دل میں جھانک کر دیکھا کہ وہ وہاں سے بنجے کو ہٹا کر راجیش کو بٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ وہ راجیش کو جگہ دے سکتی تھی لیکن بنجے وہاں سے نہیں ہٹ رہا تھا۔ محبت کے گہرے نقش کو اتنی جلدی مٹانا آسان نہیں ہوتا۔ البتہ راجیش کے متعلق بھی سوچنے اور ذرا متاثر ہوتے رہنے کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔

آخر قیامت کے انتظار کے بعد صبح ہو گئی۔ راجیش کمرے سے باہر جانے لگا تو پریتی نے کہا۔ "سنو! آج میں نے تمہاری شرافت دیکھی ہے۔ ہو سکے تو اپنا حوصلہ بھی دکھاؤ اور باہر جا کر ہنستے بولتے رہو۔ ورنہ بھانڈا پھوٹ جائے گا۔"

اس نے کہا۔ "ارونا کے دیئے ہوئے صدمات ایسے تھے کہ میں دنیا والوں کے سامنے رو سکتا تھا آج سے تمہاری دی ہوئی زندگی کے صدمات ایسے ہیں کہ میں رو بھی نہیں سکتا۔ اطمینان رکھو میں ہنستا رہوں گا۔ کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ پریتی نے دروازے کو اندر سے بند کر کے سہاگ کی سیج کی جانب دیکھا۔ اس سیج کو دیکھ کر بچے کا خیال آیا۔ ضمیر نے ملامت کی۔ "پریتی! تجھے شرم نہیں آتی۔ جو تجھے بدنامی کی دہلیز پر چھوڑ کر گیا تو اس کا تصور کر رہی ہے اور جو تجھے نیک نامی کی سیج پر لایا تو اسے ساری رات تڑپاتی رہی۔ تیرے جیسی بے حس اور ظالم اور کوئی نہ ہوگی۔"

پریتی نے اس ملامت سے گھبرا کر بچے کو دماغ سے باہر جھٹک دیا۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی سیج پر آئی۔ وہاں چادر بے شکن تھی۔ سسرال والے وہاں آ کر دیکھتے تو شبہ کرتے پریتی نے چادر کو اِدھر اُدھر سے کھینچ کر شکنیں پیدا کیں۔ اس پر بکھری ہوئی کلیوں اور پھولوں کو مسل مسل کر سرہانے سے پائنتی تک چھڑک دیا۔ دروازے کے پاس جا کر آہستگی سے چٹخنی گرائی۔ پھر واپس آ کر سارے زیورات اتار کر تکیے کے نیچے رکھ دیئے اس کے بعد گھونگھٹ سر پر ڈال کر سہاگ کی سیج پر بیٹھ گئی۔

دو منٹ کے بعد ہی اس کی ساس' نندیں اور دوسری لڑکیاں ہنستی بولتی اس کمرے میں داخل ہونے لگیں۔ وہاں اب شبہ کرنے کے لئے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ نندیں اپنی پریتی بھابی کو غسل کرانے لے گئیں۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد ناشتے کی میز پر دلہن کے ساتھ سسرال لوگ اور دوسرے رشتے دار موجود تھے۔ راجیش بچوں کو چھیڑ رہا تھا۔ بھابیوں سے مذاق کر رہا تھا اور پریتی کی تعریفیں کر رہا تھا۔

اور پریتی ندامت سے جھکی جا رہی تھی۔ راجیش یہ ناٹک کیوں کھیل رہا تھا؟ کیا اس لئے کہ وہ دوسری بیوی کو بھی طلاق دے کر اپنے خاندان کو بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا؟ لیکن نہیں جب یہ ثابت ہو جاتا کہ پریتی نے پاپ کیا ہے اور وہ اس خاندان میں ایک ناجائز بچے

کو جنم دینے آئی ہے تو اس خاندان کی کبھی بدنامی نہ ہوتی۔ ساری دنیا پریتی اور اس کے بچے پر تھوکنا شروع کر دیتی۔ یہ راجیش کی عظمت تھی کہ وہ بیچ بچ ڈھال بن گیا تھا اور ہنس ہنس کر اسے نیک نامی دے رہا تھا۔

وہ خود کو اس کے سامنے حقیر محسوس کر رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے راجیش نے اسے جوتی بنا کر پہن لیا ہے اور اب وہ اس کے پاؤں سے نہیں نکل سکے گی۔ ویسے اپنے بچے کی خاطر جوتی بن کر رہنا بھی منظور تھا۔ سسرال میں اس کے دن گزرنے لگے۔ شادی کے چار دن بعد ہی وہ دفتر میں بیٹھنے لگی۔ مقدمات پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینے لگی۔ راجیش شام کو کار میں آتا تھا اور اسے دفتر سے گھر لے جاتا تھا۔ دن تو مصروفیات میں گزر ہی رہے تھے مگر راتیں ان دونوں کی جان لے لے کر گزرتی تھیں۔ کیونکہ ایک ہی کمرے میں وہ الگ الگ سوتے تھے۔ راجیش غم غلط کرنے کے لئے تھوڑی سی پی لیتا تھا۔ اسے نشہ میں نیند آجاتی تھی۔ پریتی بھی آدھی رات کے بعد مطمئن ہو کر سو جاتی تھی۔

ایک ماہ کے اندر ہی سسرال والوں کو یہ خوشخبری ملی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ اس اطلاع پر کئی من مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ ساس تو اپنی بہو پر قربان ہوئی جا رہی تھی۔ کمال راجیش کا تھا' اس نے اب تک بچے کے باپ کا نام نہیں پوچھا تھا اور اپنے آپ پر جبر.......... کر کے مسرتوں کا بھرپور اظہار کر رہا تھا۔

چند ماہ اور گزر گئے۔ پریتی نے اپنے مؤکلوں کو دوسرے وکیلوں کے پاس بھیج دیا۔ کیونکہ وقت قریب آرہا تھا اور وہ ایسی حالت میں نہ تو مقدمات پر توجہ دے سکتی تھی اور نہ ہی عدالت میں حاضر ہو سکتی تھی۔ ایک رات وہ اپنی خواب گاہ میں تھی اور راجیش بیٹھا پی رہا تھا۔ پریتی نے پوچھا۔ "کیا تم شراب نہیں چھوڑ سکتے؟"

"کیا تم شراب بھی چھڑانا چاہتی ہو؟"

"ہاں یہ برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ میں نے آج تمہیں ایک سوسائٹی گرل کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"تم نے آج دیکھا ہے۔ حالانکہ شادی کے دوسرے ہی دن سے یہ سلسلہ ہے۔ پہلے میں نے کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی۔ آج مجھ میں یہ برائی شراب نے پیدا نہیں کی۔ یہ دوسری شادی کا نتیجہ ہے۔"

پریتی کا سر جھک گیا۔ وہ بولا۔ "میں تمہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میرے پینے سے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو بولو اور آزمالو میں پینا بھی چھوڑ دوں گا۔"

وہ بدستور سر جھکائے ہوئے بولی۔ "میرے بچے پر آپ کی پرورش کا اثر ہوگا۔ وہ آپ کو باپ سمجھتا رہے گا۔ آپ سے متاثر ہوتا رہے گا اور آپ ہی کی عادتیں سیکھتا رہے گا۔"

"بس میں سمجھ گیا۔ میرے نام سے پلنے والا بچہ کوئی غلط کام نہیں کرے گا۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر اس نے بوتل اور گلاس کو اٹھا کر کھڑکی کی طرف پھینک دیا۔ "یہ لو۔ آج سے کوئی بری چیز اس گھر میں داخل نہیں ہوگی۔"

راجیش کی اس حرکت نے پریتی کو اس قدر متاثر کیا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس دوڑ کر جانا چاہتی تھی اور اس کے قدموں سے لپٹ کر اس کی عظمت کا اعتراف کرنا چاہتی تھی لیکن ٹھیک اسی وقت خواب گاہ کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک نند کہہ رہی تھی۔ "بھابی آپ کی ٹیلی فون کال ہے۔"

پریتی کو کسی ٹیلی فون کال سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ راجیش کے قدموں تک پہنچنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اتنے میں پھر نند کی آواز آئی۔ "فون کرنے والے صاحب کا نام سنجے مکرجی ہے۔ کیا آپ بات کریں گی؟"

پریتی کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ راجیش کی طرف سے پلٹ کر دروازے کی طرف بھاگتی ہوئی گئی۔ دوسرے ہی لمحہ وہ دروازہ کھول کر تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ وہاں ٹیلی فون کے پاس ساس اور سسر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بیچارے کیا جانتے تھے کہ بہو کے لئے عشقیہ کال ہے۔ معزز گھرانوں میں ایسا سوچا بھی نہیں جاتا۔ اس لئے وہ دونوں بوڑھے وہاں بیٹھے رہے۔ پریتی نے ریسیور اٹھا کر دھڑکتے ہوئے دل سے "ہیلو" کہا۔

"ہیلو پریتی!" دوسری طرف سے سنجے کی آواز سنائی دی۔ "شاید اب مجھے پریتی کہنے کا حق نہیں رہا۔ یہاں آکر سنا کہ تم مسز راجیش بن گئی ہو۔"

وہ کن انکھیوں سے ساس سسر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ جیسے بڑے آدمی شادی

کی.......... (مبارک باد) دے رہے ہیں میں کس منہ سے شکریہ ادا کروں۔"

"ایں مبارکباد؟" سنجے نے حیرانی سے پوچھا۔ پھر کہا۔ "اوہ سمجھا۔ ٹیلی فون کے پاس تمہارے شوہر اور سسرال والے بیٹھے ہیں۔"

وہ بولی۔ "آپ سمجھ دار ہیں۔ ابھی میری شادی کو چند ماہ گزرے ہیں۔ میں کوئی کیس ہاتھ میں نہیں لوں گی۔"

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں اپنے گھر میں بیٹھ کر ٹیلی فون پر کسی کیس پر بات نہیں کرسکتی۔"

"تو باہر کہیں ملاقات کرو۔"

"سوری۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔"

"پھر میں تمہیں اور راجیش کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دوں گا۔"

"نرملا دیوی کیسی ہیں؟"

"میں اسے دہلی میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ وہ زچگی تک وہیں رہے گی۔"

"پھر تو آپ کے ہاں دعوت مناسب نہیں رہے گی۔ ذرا ہولڈ آن کریں۔"

راجیش ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑا دور سے پریتی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ پریتی نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر راجیش کو دیکھا۔ پھر اپنی ساس کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ "ماں جی! شاید آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔ سنجے مکرجی صاحب ایم پی ہیں ان کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ وہ میری شادی کی خوشی میں مجھے اور راجیش کو دعوت دینا چاہتے ہیں۔"

راجیش نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "جس نے تم پر احسانات کئے ہیں' میں اس کی دعوت ضرور قبول کروں گا۔"

پریتی نے اس کی باتوں کے پیچھے ہلکے سے طنز کو محسوس کیا یا پھر اس کے دل میں چور تھا۔ اس لئے وہ ایسا محسوس کر رہی تھی۔ وہ بولی۔ "لیکن میں قبول نہیں کروں گی۔"

ساس نے پوچھا۔ "کیوں بیٹی؟"

"ماں جی! مکرجی صاحب کی دھرم پتنی دہلی میں ہیں۔ وہاں دعوت قبول کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر آپ لوگوں کی اجازت ہو تو میں مکرجی صاحب کو کل یہاں کھانے پر

بلالوں۔"

"بیٹی! یہ تمہارا گھر ہے جسے چاہے بلا سکتی ہو۔"

پریتی نے راجیش کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولا۔ "ماں جی کہتی ہیں کہ گھر تمہارا ہے میں کہتا ہوں کہ میں بھی تمہارا ہوں۔ میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو' دعوت دے ڈالو۔"

وہ گھر والوں کے سامنے بڑی شوخی سے بولتا تھا۔ پریتی نے اسے احسان مندی سے دیکھا۔ پھر ریسیور کے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر بولی۔ "ہیلو مکرجی صاحب! راجیش کی خواہش ہے کہ آپ کل رات ہمارے ہاں کھانے پر آئیں۔"

"پریتی! میں نے بڑی مشکلوں سے تمہارے سسرال کا ٹیلی فون نمبر معلوم کیا۔ میں تنہائی میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تمہارے سسرال والوں کے سامنے مجھے کہنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

وہ بولی۔ "دیکھئے! اگر یہ کیس اتنا ہی بگڑ گیا ہے تو کل آپ یہاں آکر مجھے کیس کی تفصیل سنادیں۔ آپ اطمینان رکھیں' یہاں سب تعلیم یافتہ ہیں۔ ہماری گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔"

"پریتی! تم کتنی اچھی ہو۔ تمہارے دل میں ابھی تک میرے لئے جگہ ہے۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں پہلے کہہ چکی ہوں کہ کیس اپنے ہاتھ میں لینے کا وقت گزر چکا ہے۔ میں اس کیس کے سلسلہ میں صرف مشورہ دے سکوں گی۔ آپ کنفرم کریں کیا کل آرہے ہیں؟"

"آؤں گا۔ کل تک بڑی بے چینی سے وقت گزار کر آؤں گا۔"

پریتی کا دل دھڑک رہا تھا اور ہاتھ لرز رہا تھا۔ وہ لرزتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور رکھ کر وہاں سے اٹھ گئی۔ پھر سر پر آنچل رکھتی ہوئی خواب گاہ میں چلی آئی۔ ذرا دیر بعد راجیش نے آکر دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ پریتی اپنے بستر کے سرے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ راجیش نے کہا۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ بچے کے باپ سے متعلق کچھ نہیں پوچھوں گا لیکن اب سوچتا ہوں کہ مجھے اس کے متعلق کچھ نہ معلوم ہوگا تو یہ میرے ساتھ ناانصافی ہوگی۔"

پریتی نے پوچھا۔ "ناانصافی کیسے ہوگی؟"

"ایسے کہ میں اس شخص سے انجان رہوں' لیکن وہ مجھے جان رہا ہے۔ میں اندھا ہوں' اسے دیکھ نہیں سکتا۔ وہ کہیں بیٹھا مجھے دیکھ رہا ہے۔ میری بے خبری پر ہنس رہا ہے کہ باپ وہ ہے اور نام میں کر رہا ہوں۔"

"وہ ایسا شخص نہیں ہے۔ وہ تم پر کبھی نہیں ہنسے گا۔"

"تمہیں اس پر بہت زیادہ اعتماد ہے؟"

"ہاں۔ میں اس کے مزاج کو سمجھتی ہوں۔"

"تعجب ہے تم مزاج کو سمجھ کر بھی دھوکا کھا گئیں۔"

"یہ ضروری نہیں کہ کوئی دھوکا دے۔ یا کوئی دھوکا کھائے۔ ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ہم دھوکے باز نہیں ہوتے اور تقدیر دھوکا دے دیتی ہے۔"

"ہم کا مطلب یہ ہوا کہ تم دونوں دھوکے باز نہیں تھے۔ اس شخص کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بے وفا ہرجائی نہیں ہے یعنی دونوں طرف سے وفا آج بھی ہے۔"

پریتی چونک گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بات یہاں تک پہنچ جائے گی۔ راجیش نے پوچھا۔ "تم نے تو کہا تھا کہ تم سے غلطی ہوگئی تھی۔ تمہیں کسی سے محبت نہیں ہے اور اب تم اس کی حمایت میں بول رہی ہو؟"

وہ سنبھل کر بولی۔ "حمایت میں بول رہی ہوں۔ محبت میں نہیں بول رہی ہوں۔ وہ مجبور تھا۔ وفا نہ کرسکا۔ یہ الگ سی بات ہے' اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وفا نہ کرنے والے مجبور شخص سے محبت کررہی ہوں۔"

جھوٹ بولتے وقت پریتی کا دل اندر سے ڈوب رہا تھا۔ وہ سچ بول کر راجیش کو یہ صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی تھی کہ وہ ارونا کی طرح ایک عاشق پال رہی ہے اور ایک دن وہ عشق اس کی بدنامی کا باعث بنے گا۔ دنیا ہنسے گی کہ اس گھر کی بہو راجیش کی بیوی.......... دوسرے کے لئے آہیں بھرتی ہے۔

راجیش نے پھر کوئی بات نہیں چھیڑی۔ اپنے بستر پر جاکر سوگیا۔ پریتی بھی اپنے بستر پر لیٹ گئی مگر بڑی رات تک سو نہ سکی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بچے اور راجیش آکر کھڑے ہوجاتے تھے اور پوچھتے تھے کہ ان میں سے کون محبت کا حق دار ہے؟ کیا وہ جس نے اسے سماج میں بدنام ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ یا وہ' جو اسے بدنامی سے بچا رہا تھا؟

بے شک راجیش محبت کا حق دار تھا' لیکن سنجے کے ساتھ گزری ہوئی اندھی جوانی کا ایک ایک لمحہ یاد آتا تھا۔ وہ شعوری طور پر سنجے سے کترا رہی تھی مگر غیر شعوری طور پر خیال ہی خیال میں اپنے ایک ایک لمحہ کا حساب اس سے چاہتی تھی۔ اس کے باوجود عقل سمجھاتی تھی کہ اب وہ کسی کی بیوی اور ایک شریف گھرانے کی بہو ہے۔ جہاں اس کے بچے کو تحفظ مل رہا ہے' وہاں کے لوگوں سے بے ایمانی نہیں کرنا چاہئے۔ عقل یہی سمجھا کر اس کی نیند اڑا دیتی تھی۔

☆------☆------☆

سنجے مکرجی اپنے وعدے کے مطابق پریتی کے ہاں دعوت پر پہنچ گیا تھا۔ پریتی نے اپنے سسرال والوں سے اس کا تعارف کرایا۔ راجیش نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "مکرجی صاحب! آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔"

سنجے نے پوچھا "وہ کیسے؟"

"ایسے کہ میری دھرم پتنی کل رات سے ہی آپ کے آنے کی اس مبارک گھڑی کا انتظار کر رہی تھی۔ پریتی جس کا انتظار کرے وہ بھاگوان کیا بھگوان بن جاتے۔"

اس بات پر سب نے قہقہہ لگایا اور راجیش کی بات ہنسی میں اڑ گئی۔ ویسے وہ برابر زندہ دلی کا ثبوت دے رہا تھا۔ کھانے کے دوران بھی وہ پُرلطف باتیں کر کے سب کو ہنساتا رہا۔ پریتی جبراً ہنس دیتی تھی۔ یہ سچائی اسے کھٹکتی تھی کہ وہ کتنے سارے صدمات کے الاؤ میں جل کر ہنستا رہتا ہے۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلنے والا تھا۔ راجیش نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "پریتی! تم جانتی ہو کہ اس وقت میں چائے نہیں پیتا۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں ہمارے بیڈ روم کے ساتھ والا کمرہ تمہارے اور مکرجی صاحب کے لئے مناسب رہے گا۔ وہاں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔ چائے اسی کمرے میں منگوا لو۔"

وہ ڈائننگ روم سے نکل کر اپنے بیڈ روم میں آگیا۔ کمرے کے اندر آ کر اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ آج دن کو اس نے اپنی الماری میں کپڑوں کے نیچے ایک اسپیکر چھپایا تھا۔ برابر والے کمرے میں چھت سے جو فانوس......... لٹک رہا تھا۔ وہاں اس نے ایک مائیک رکھ دیا تھا اور اس کمرے کے سوئچ بورڈ کا کنکشن اپنے بیڈ روم سے کر دیا

تھا۔ وہ اسپیکر اٹھا کر سوئچ بورڈ کے نیچے میز کے پاس آیا اور اس کے تار کو سوئچ بورڈ سے نکلے ہوئے ایک تار سے منسلک کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسپیکر سے آوازیں آنے لگیں۔

برابر والے کمرے میں فانوس کے نیچے ایک سینٹر ٹیبل تھا۔ اس کے اطراف صوفے تھے۔ سینٹر ٹیبل پر کبھی پیالیاں رکھنے اور کبھی پیالوں میں چمچ چلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر پریتی کی آواز آئی۔ وہ ملازم سے کہہ رہی تھی۔ "تم جاؤ۔ دروازہ بند کر دینا۔ مجھے ضرورت ہوگی تو بلا لوں گی۔"

ذرا دیر بعد دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ ملازم چلا گیا تھا۔ اب وہ دونوں کمرے میں تنہا تھے اور بالکل خاموش تھے۔ فانوس کے درمیان چھپا ہوا مائیک اتنا حساس تھا کہ ہلکی سی آہٹ کو بھی دوسری طرف نشر کر دیتا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔ آخر پریتی نے پوچھا۔ "آپ فون پر مجھ سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ اب خاموش کیوں ہیں؟"

سنجے نے کہا۔ "میں کیا کہوں؟ راجیش بہت ہی زندہ دل نظر آتا ہے۔ اس نے تمہیں جیت لیا ہوگا۔ اب میرے کہنے کے لئے کیا رہ گیا ہے؟"

وہ بولی۔ "راجیش انسان نہیں دیوتا ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ بچہ ان کا نہیں ہے پھر بھی وہ باپ بن کر اس بچے کو سماجی حقوق دیں گے۔"

سنجے نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا راجیش کو تم نے بتایا ہے کہ وہ بچہ میرا........"

"وہ بچہ آپ کا نہیں ہے۔" پریتی نے سخت لہجے میں کہا۔ "وہ صرف میرا ہے۔ اگر آپ کی دنیا میں بچوں کو ماؤں کے نام سے پکارا جاتا تو میں اس معصوم کو اپنا ہی نام دیتی کسی مرد کی محتاج نہ ہوتی۔ مہربانی کر کے آپ کبھی اس بچے کا ذکر بھی اپنی زبان پر نہ لائیں۔"

"ٹھیک ہے میں اس کا ذکر کبھی نہیں کروں گا۔"

پریتی کا دل دکھنے لگا۔ سنجے کتنی جلدی اس بچے سے خود کو دور کر رہا تھا۔ کیا وہ نرملا سے ہونے والے بچے سے منہ پھیر سکتا تھا؟ نہیں اس کے لئے نرملا کا بچہ ہی سب کچھ تھا۔ سماج اور قانون کے کسی کھاتے میں پریتی کے بچے کا نام نہیں آ سکتا تھا۔ پھر وہ سنجے کے سامنے کیوں بیٹھی تھی؟ محبت کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ محبوب کا چہرہ ننگا ہو چکا تھا۔ اب وہ سنجے سے کیا آس لگا رہی تھی؟

سنجے نے پوچھا۔ "میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ اب بھی تمہارے دل میں میرے لئے کچھ جگہ ہے یا نہیں؟"

"آپ اپنے سوال کا جواب خود دیں۔ میرے دل میں کس کے لئے جگہ ہونا چاہئے۔ اس کے لئے جس نے مجھے ذلت کی پستی میں گرانا چاہا یا اس کے لئے جس نے مجھے گرنے سے پہلے ہی بچالیا؟ آپ بتائیں۔ کیا اب بھی آپ میرے دل میں رہنا چاہتے ہیں؟ لیکن کس منہ سے رہنا چاہتے ہیں؟"

"پریتی! تم جانتی ہو کہ میں کس قدر مجبور ہوں۔"

"میں یہ بھی جانتی ہوں کہ مجبوریوں سے گزرنے کا نام ہی آزمائش ہے اور آزمائش کے بغیر محبت نہیں ہوتی۔"

وہ ایک لمبی سانس چھوڑ کر بولا۔ "مجھے صرف سیاستداں اور قانون داں ہونا چاہئے تھا لیکن تمہاری محبت کا روگ ایسا ہے کہ مرتے دم تک اس کا علاج نہ تم سے ہو سکے گا نہ مجھ سے۔ یہ دل ایک ضدی بچے کی طرح صرف تمہارے لئے مچلتا ہے۔"

"آپ دل کو سمجھائیں کہ پریتی کو بچے کے ساتھ ہی حاصل کیا جاسکتا ہے تو عشق کا بخار ٹھنڈا ہو جائے گا۔ سنجے صاحب! پریتی اب وہ الھڑ اور نادان لڑکی نہیں رہی' جو آپ کی زبان سے محبت کا ایک لفظ سن کر اپنا سب کچھ ہار جاتی تھی۔ بڑے چرکے دیئے ہیں سنجے صاحب آپ نے بڑے چرکے دیئے ہیں۔"

"تم جتنی باتیں بھی سناؤ۔ وہ کم ہے۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ جتنا بخار نکال سکتی ہو نکال لو۔"

وہ چند لمحوں تک چپ رہی۔ پھر بولی۔ "میں پچھلی باتیں دہراؤں گی تو وہ بخار نکالنا ہی کہلائے گا۔ کیوں نہ ابھی کی بات کی جائے؟"

"ہاں جو ہو چکا ہے اسے نظر انداز کردینا دانش مندی ہے۔ یہ سمجھو کہ اب بھی میں دیوانہ وار تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور اب مجھے آپ سے شدید نفرت ہے۔"

"پریتی! یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ کہتے کہ ابھی آپ مجھے میرے بچے کے ساتھ لینے

آئے ہیں تو میں خوشی سے مرجاتی مگر آپ کے دماغ کے کسی گوشہ میں وہ مظلوم بچہ نہیں ہے۔ صرف میری جوانی ہے میں ایسی ہوس پرستی پر لعنت بھیجتی ہوں۔ آپ کی شخصیت کا جو مینار میرے سامنے تعمیر ہوا تھا۔ وہ گر چکا ہے۔ آج یہاں سے جانے کے بعد آپ یہ سوچ کر جائیں کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ آئندہ آپ فون پر بھی مجھ سے بات نہیں کریں گے۔"

یہ کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سنجے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "اگر یہ ہوس پرستی ہوتی تو کہیں بھی پوری ہوتی رہتی۔ صرف تمہاری آرزو ہوتی۔"

"یہ کیسی آرزو ہے کہ آپ ایک بیاہتا عورت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ اخلاقی پستی نہیں ہے؟ میں راجیش کا اعتماد ہوں۔ ان کے گھرانے کی عزت ہوں۔ میں مرجاؤں گی مگر کبھی اس خاندان کی بدنامی کا سبب نہیں بنوں گی۔"

"اگر یہ عزت ہے تو پھر کیوں رو رہی ہو؟"

"اس بات پر رو رہی ہوں کہ آپ کی محبت نے مجھے کس قدر کمزور بنادیا ہے۔ میں اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آپ سے التجا کرتی ہوں کہ میری بات مان لیں۔ آئندہ کبھی ملاقات نہ کریں۔ کبھی اپنی آواز نہ سنائیں۔ عورت ہی کو بدنام رہنے دیں کہ اس نے آدم کو جنت سے نکالا تھا۔ آپ مجھے اس شریف گھرانے کی جنت سے نکال کر یہ اعزاز حاصل نہ کریں۔"

"ایسی بات ہے اگر تم مجھے دیکھ کر' میری آواز سن کر بہک جاتی ہو تو میں نہیں بہکاؤں گا۔ آنسو پونچھ لو۔ باتھ روم میں جاکر منہ دھولو۔ ورنہ.......... گھر والے کیا سوچیں گے؟"

خاموشی چھاگئی۔ پریتی نے کچھ نہیں کہا۔ شاید باتھ روم میں چلی گئی تھی کیونکہ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ راجیش خوش ہوگیا تھا۔ پریتی کی باتیں سن کر اس کے چہرے پر تازگی آگئی تھی۔ بلاشبہ اس عورت نے بہت ہی اچھے کردار کا ثبوت دیا تھا۔ راجیش اسپیکر کے کنکشن کو الگ کرکے اسے دوبارہ الماری میں رکھنے کے بعد اپنی خواب گاہ سے باہر آگیا۔

تھوڑی دیر بعد پریتی بھی ساتھ دوسرے کمرے سے باہر آئی۔ راجیش ان

دونوں کے ساتھ کوٹھی کے باہر آیا۔ پھر سنجے نے رخصتی مصافحہ کیا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے رخصت ہوگیا۔ راجیش نے کہا۔ "مکرجی صاحب اچھے آدمی ہیں۔ کیا کیس کے سلسلے میں باتیں ہوگئیں؟"

پریتی نے اسے دیکھا پھر نظریں جھکا کر بولی۔ "جی ہاں۔ بڑا الجھا ہوا کیس تھا۔ میں نے مشورے دیئے ہیں۔ ان پر عمل کریں گے تو الجھنیں دور ہو جائیں گی۔"

"میری دعا ہے کہ الجھنیں دور ہو جائیں۔ آؤ اپنے کمرے میں چلیں۔"

وہ جانے کے لئے گھوم گیا۔ پریتی نے کہا۔ "سنو!" وہ رک گیا۔ اسے دیکھنے لگا۔ پریتی نے بڑے پیار سے پوچھا۔ "تم مجھ پر بھروسہ کیوں کرتے ہو؟"

"انسان ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کرے تو یہ دنیا نہ چلے۔ لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے پر مجبور ہیں۔"

"میں تمہاری بات پوچھ رہی ہوں۔"

"پریتی! تم عدالتوں میں قانون کے سہارے جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کرتی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی سب سے بڑی عدالت ضمیر کی عدالت ہوتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنے دل کی عدالت میں اپنا مقدمہ آپ لڑتی رہتی ہو۔ اسی لئے میں بڑے صبر سے بھروسہ کر رہا ہوں۔"

پریتی نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ پھر کوٹھی کے اندر جانے سے پہلے' اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ راجیش نے حیرت سے اور مسرت سے اس ہاتھ کو دیکھا۔ کیونکہ آج تک اس نے اسے اپنا ہاتھ پکڑنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اب چاہتی تھی کہ وہ اسے چھو لے۔ راجیش نے بڑے پیار سے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے شانہ بشانہ کوٹھی کے اندر چلے گئے۔

☆------☆------☆

سنجے نے پھر کبھی کسی طرح بھی پریتی سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ ماہ دو ماہ چار ماہ گزر گئے۔ ان کی محبت ماضی کا فسانہ بن کر رہ گئی۔ تعلقات ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے۔ پریتی رفتہ رفتہ راجیش پر توجہ دے رہی تھی۔ ایک وفا شعار بیوی کی طرح تن من سے اس کی خدمت کرتی تھی اور اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھتی تھی۔ پھر اس کی زندگی

میں وہ وقت آگیا۔ جب اس نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا۔

راجیش نے اس بچے کو سینے سے لگا کر کہا۔ "تقدیر نے اس بچے کے بہانے تمہیں میری بیوی بنا دیا۔ بیوی بننے کے بعد بھی پہلے تم مجھ سے دور دور رہتی تھیں لیکن تمہارے دل کی عدالت میں میں مقدمہ جیتنے والا ہوں۔ پہلے تم نے اپنا ہاتھ مجھے دیا' پھر توجہ دینے لگیں۔ اس کے بعد خدمت گزاری میں لگ گئیں۔ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ اگلے ایک دو سال میں تم میرے بچے کو جنم دو گی۔"

پریتی نے اپنا ہاتھ چہرے پر رکھ کر اپنے تاثرات چھپا لئے۔ راجیش نے کہا۔ "اس بچے نے ہمیں ملایا ہے۔ ہمارے رشتے کو امر (دائمی) کیا ہے۔ ہمیں پیار کے سنگم پر پہنچایا ہے۔ میں اس کا نام امر سنگم رکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"بہت ہی خوبصورت نام ہے۔" پریتی نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹالیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کا ہلکا ہلکا سا پانی جھلک رہا تھا۔ اس پانی کو آنسو نہیں کہہ سکتے کیونکہ آنسو' غم اور صدمات کی علامت ہوتے ہیں اور آنکھوں کا پانی حیا کی علامت ہوتا ہے اور ابھی پریتی کی آنکھوں کا پانی نہیں مرا تھا۔

امر کے جنم پر اس کے سسرال میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ ساس اس پر واری واری جا رہی تھی۔ سسر اپنی برادری میں سینہ تان کر رہنے لگا کیونکہ بھری عدالت میں اس کے بیٹے پر جو شرمناک الزام لگایا گیا تھا' اس الزام کو اس بچے نے غلط ثابت کر دیا تھا۔ ہماری دنیا میں ایسے تماشے ہوتے رہتے ہیں' جیسا کہ وہ بچہ تہذیب کے منہ پر سچی کالک تھا اور راجیش کے منہ سے جھوٹی کالک دھو رہا تھا۔ عجیب عبرت کا مقام ہے یہ دنیا۔

پریتی نے اگرچہ شعوری طور پر سنجے کو اپنے تحت الشعور کی قبر میں دفن کر دیا۔ تاہم بچے کو جنم دینے کے بعد اس کے دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوئی تھی کہ ایک بار وہ اپنے بچے کو دیکھ لے۔ عورت جب لمحہ لمحہ درد سہتے سہتے اور اپنی جان دیتے دیتے بچے کو جنم دیتی ہے تو چاہتی ہے کہ بچے کا باپ اس ننھے کو ہاتھوں میں لے کر چومے۔ اس تخلیق کی تعریف کرے۔ تب وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔

وہ دل کو تسلی دیتی۔ "سنجے بدنصیب ہیں کہ امر جیسے بیٹے کو ہاتھوں میں نہیں لے سکتے۔"

دوسرے لمحے خیال آتا کہ وہاں نرملا نے بھی کسی بچے کو جنم دیا ہوگا اور وہ بچہ نجے کی گود میں کھیل رہا ہوگا۔ اس باپ کو اپنے دوسرے بچے کا خیال بھی نہیں آئے گا۔ آہ! محبت' رشتے اور بچے کی آرزوؤں کی جو داستان بڑے پیار سے بھی شروع ہوئی تھی' وہ کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔ محبت کی آگ بالکل ہی بجھ گئی تھی۔ صرف یادوں کا دھواں اٹھ رہا تھا اور ایک امید کا عذاب رہ گیا تھا کہ نجے کبھی تو اسے چھوڑ کر پچھتائے گا۔

جو امید بر نہ آئے' وہ عذاب بن جاتی ہے اور ہر نئی امید کے ساتھ' وہ اپنے عذاب کو قائم رکھتی ہے۔ نجے اب اس شہر میں نہیں رہتا تھا۔ حالانکہ وہاں اس کی کوٹھی' دوسری جائیداد اور کاروبار موجود تھے مگر وہ سرکاری طور پر دہلی شہر میں نرملا اور اپنے بچے کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ اب اس بات کا امکان بھی نہیں تھا کہ ایک شہر میں رہنے سے بھی نہ کبھی اتفاقاً کہیں سامنا ہو جائے لیکن پریتی کے دل میں اس سے سامنا کرنے کی آرزو ایسی شدید نہیں تھی۔ بس ایک ہی تمنا تھی وہ ایک بار اپنے بچے کو اسے دکھانا چاہتی تھی۔

اس کا بیٹا امر ایک برس کا ہو گیا۔ اب وہ کیس لینے اور عدالت میں جانے لگی تھی۔ روز اپنے دفتر میں بیٹھ کر اپنے موکلوں سے باتیں کرتی تھی۔ راجیش نے بالآخر اسے جیت لیا تھا اور وہ دونوں میاں بیوی بڑی خوش گوار زندگی گزار رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے پریتی بالا اور نجے مکرجی کی داستان عشق کی کتاب بند ہو کر گزرے ہوئے وقت کے طاقچے پر گرد آلود ہو گئی ہے اور اب آنے والا وقت بھی اس کتاب کو کھول کر نہیں پڑھے گا۔

ایک روز وہ دفتر میں بیٹھی ایک فائل کا مطالعہ کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی چیخنے لگی۔ فون کی گھنٹی تو روز ہی کئی کئی بار چیختی تھی پریتی دن میں کتنے ہی لوگوں سے فون پر باتیں کرتی تھی۔ اسے اب کسی اہم کال کا انتظار نہیں رہتا تھا۔ اس نے فائل پر نظر مرکوز کئے ایک ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور کان سے لگا کر ہیلو کہا۔ جواب میں بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "پریتی!"

وہ ایک دم سے چونک کر سیدھی بیٹھ گئی۔ محبت کبھی کبھی چابک کی طرح لگتی ہے اور سیدھا بٹھا دیتی ہے۔ وہ اس آواز کو بے ہوشی کے عالم میں بھی پہچان سکتی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں وعدہ کے خلاف تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔ ریسیور نہ رکھنا۔ پہلے میری بات سن لو۔"

وہ جانے کیوں بولتے وقت کانپنے لگی۔ "مکرجی صاحب! میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔ میری مرضی کے خلاف مجھ سے باتیں کرنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب نجے کی آواز نہیں آسکتی تھی لیکن پریتی کے کان بج رہے تھے۔ وہ ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے توقع تھی کہ گھنٹی پر بجے گی۔ وہ پھر پیار سے مخاطب کرے گا تو۔ تو اب۔ اب کی بار وہ کیا کرے گی؟

وہ جوابی کارروائی کے متعلق سوچنے لگی۔ اسے خیال آیا کہ بہت دیر ہو چکی ہے۔ نجے نے دوبارہ فون نہیں کیا ہے۔ شاید اچانک سلسلہ منقطع کرنے سے اس کی انا کو ٹھیس پہنچی ہے۔ وہ اپنی توہین محسوس کر رہا ہوگا اور اب کبھی اسے فون نہیں کرے گا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پہلے وہ چاہتی تھی کہ دوبارہ فون نہ آئے اور اب ادھر سے خاموشی تھی تو ادھر بے نام سی بے چینی شروع ہو گئی تھی۔ وہ اپنی میز کے سامنے ٹہلنے لگی۔

اس وقت شام کے چار بجکر پچیس منٹ ہوئے ... راجیش روز شام کو دفتر آکر اسے اپنے ساتھ گھر لے جاتا تھا اور اپنے ساتھ آیا اور بچے کو بھی لاتا تھا تاکہ دن بھر کی تھکی ہوئی ماں اپنے بیٹے کو دفتر میں ہی پیار کرکے.......... تازہ دم ہو جائے۔ اس روز راجیش اور امر کا انتظار نہ ہوتا تو پریتی وقت سے پہلے ہی دفتر سے چلی جاتی۔ نجے کی فون کال نے اسے اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔

پندرہ منٹ کے بعد ایک کار دفتر کے سامنے آکر رکی۔ راجیش پانچ بجے آیا کرتا تھا مگر آج بیس منٹ پہلے آگیا۔ نجے کار سے اتر کر دفتر میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ جسے بھول جانا چاہتی تھی وہ اپنی یاد دلانے بنفس نفیس آرہا تھا۔

اب تو سامنا کرنا ہی تھا۔ لہٰذا سامنا ہو گیا۔ وہ دفتر کے دوسرے کمروں کو عبور کرتا ہوا پریتی کے چیمبر میں آگیا۔ چند ساعتوں تک دونوں ایک دوسرے کے سامنے گم صم رہے۔ پھر نجے نے کہا۔ "میں جانتا تھا کہ تم مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرو گی۔"

"اور آپ جبراً بات کرنے آئے ہیں۔"

"جبر کی بات نہیں ہے۔ میں ایسے حالات سے دوچار ہو رہا ہوں کہ اب ان حالات

میں تم ہی میرا ساتھ دے سکتی ہو۔ میں بہت مجبور ہو کر آیا ہوں۔"

"آپ جیسے بڑے آدمی بھی مجبور ہوتے ہیں' جن کے پاس دھن دولت' خدمت گزار بیوی اور خوبصورت بچہ............"

"کچھ نہیں ہے۔" وہ بڑے کرب سے بولا۔ "میں ابھی تک بے اولاد ہی ہوں۔"

"کیا؟" پریتی حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ بجے نے وہی کہا ہے' جو ابھی اس نے سنا ہے۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "نرملا سیڑھی سے گر پڑی تھی۔ چھ ماہ کا حمل ضائع ہو گیا اور وہ صدمہ سے پاگل ہو گئی ہے۔"

پریتی پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑی رہی۔ نرملا کا وہ بچہ مر گیا۔ جس کے لئے بجے نے اس کے بچے کو ٹھکرا دیا تھا۔ یہ کوئی خوشی کی بات نہیں تھی۔ ایک بچے کی موت آئی تھی وہ مر گیا۔ اس کی جگہ پریتی کا بچہ بھی دنیا سے اٹھ سکتا تھا۔ پریتی نے خیال ہی خیال میں اپنے بچے کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس کا بچہ محفوظ ہے۔

"مجھے یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے۔ آپ نرملا دیوی کو سمجھائیں' وہ آئندہ بھی ماں بن سکتی ہیں۔"

"وہ اب کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔ ڈاکٹر نے بتایا ہے اس کے اندر کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔"

"اوہ۔" پریتی بیٹھ گئی۔ اب کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ بجے اس کے دروازے پر کیوں آیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ تقدیر نے پریتی کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اگر وہ راجیش کا سہارا نہ لیتی تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔ اتنے دکھ اور پریشانیوں سے گزرنے کے باوجود اس نے نرملا اور اس کے بچے کو کبھی بد دعا نہیں دی تھی۔ یہ تقدیر اب بجے کو بگاڑ رہی تھی۔

"کیا واقعی نرملا دیوی پاگل ہو گئی ہیں؟"

"وہ آٹھ ماہ تک پاگل خانہ میں رہی۔ مینٹل ہسپتال میں علاج ہوتا رہا۔ پچھلے ایک برس سے وہ بظاہر نارمل ہے لیکن کسی بچے کو دیکھ کر' ریڈیو سے کسی بچے کی آواز سن کر یا اخبار اور رسالوں میں تصویریں دیکھ کر دماغی توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ اپنے بچے کو پکارنے

اور ڈھونڈنے لگتی ہے۔"

پریتی کا دل نرملا کے لئے ہمدردی سے بھر گیا۔ وہ بولی۔ "تقدیر نرملا دیوی پر بڑے ظلم کر رہی ہے۔ کاش میں ان کے لئے کچھ کر سکتی۔"

"کئی ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نرملا کی گود میں ایک بچہ ہونا چاہئے۔ تب ہی ذہنی حالت درست ہو گی۔"

"اور اب وہ ماں بننے کے قابل نہیں رہیں؟"

"ہاں ڈاکٹر یہی کہتے ہیں۔"

"تو پھر نرملا دیوی کسی رشتے دار کے بچے کو گود لے سکتی ہیں۔"

"کسی پرائے بچے کو کیوں؟ میرا اپنا بچہ تمہارے پاس ہے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مجھے اپنے بچے کی سخت ضرورت ہے۔"

پریتی نے غصہ سے پوچھا۔ "بچے کی ضرورت ہے بچے کی محبت نہیں ہے؟"

"محبت ہے اسی لئے صرف اپنا بچہ نرملا کی گود میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میرے پاس آپ کا بچہ نہیں ہے۔ اس کے باپ کا نام راجیش ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"یہ جھوٹ بڑا بندہ پرور ہے۔ جو سچ تھا۔ وہ میرے بچے کو پیدا ہونے سے پہلے قتل کر چکا ہے۔"

"پریتی! سچ کبھی کبھی جھوٹ سے بدتر ہو جاتا ہے۔ میں راجیش سے بدتر ہوں۔ تمہارا دیا ہوا ہر الزام درست ہے۔ میں تمہیں انسانی ہمدردی کا واسطہ دیتا ہوں۔ میرا بچہ مجھے دے دو۔"

"مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے حواس میں نہیں ہیں۔ اسی لئے ایک ماں سے اس کا بچہ مانگ رہے ہیں۔"

"پلیز' وہ صرف تمہارا نہیں میرا بھی ہے۔ ہم دونوں کا ہے۔ ہم دونوں نرملا کی زندگی بچا سکتے ہیں۔"

"میں انسانی ہمدردی میں اپنا خون دے سکتی ہوں' اپنے جگر کا ٹکڑا نہیں دے

سکتی۔"

وہ تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ "تم سمجھتی ہوگی کہ میں صرف نرملا کے لئے اسے لینے آیا ہوں۔ یقین کرو جب سے نرملا کی طرف سے بے اولاد ہونے کا یقین ہوا ہے تب سے تمہارا بیٹا میرا بیٹا خیالوں میں آآکر مجھے تڑپاتا ہے۔ اب میری یہی اولاد ہے اور میں ایسا بدنصیب باپ ہوں کہ اسے دنیا کے سامنے اپنی اولاد نہیں کہہ سکتا۔"

وہ التجا آمیز لہجے میں بولا۔ "یہی ایک ایسا موقع ہے کہ میں اسے نرملا کی گود میں دے کر دنیا والوں کے سامنے اپنا بیٹا کہہ سکتا ہوں۔"

"اور میں کبھی سب کے سامنے اسے اپنا نہیں کہہ سکوں گی۔"

"تم سب سے چھپ کر روز میرے گھر آکر بچے کو پیار کرسکتی ہو۔"

"آپ نے اسی بچے کو کبھی چھپ کر بھی اپنانے کی بات نہیں کی تھی۔ جو چوری آپ نہ کرسکے۔ وہ مجھے نہ سکھائیں۔ جب اس بچے کو ایک باپ کی ضرورت تھی' اس وقت میں آپ کی بڑی سے بڑی بات مان لیتی لیکن اب میں اپنے لال پر آپ کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی۔ بہتر ہے کہ آپ اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔ آخری سانس تک میں اپنے بیٹے کو اپنے سے دور نہیں کروں گی۔"

سنجے کا سر جھک گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں اس وقت ایسا بھکاری ہوں جس کے پاس بھیک مانگنے کے لئے متاثر کرنے والے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ایسا کیا کرگزروں کہ تم ایک دم سے پگھل کر بیٹے کو میری گود میں دے دو۔ بس اب بھگوان سے تمہارا دل موم ہوجانے کی دعا کرتا ہوں۔"

"میں نے بھی ایک عرصہ تک آپ کے موم ہوجانے کی دعائیں مانگی ہیں۔ کیا یہ کہنے کی ضرورت رہ گئی ہے کہ میری دعاؤں کے جواب میں آپ میرے لئے گالی بنتے رہے۔"

سنجے نے دروازے پر پہنچ کر اسے دیکھا۔ پھر سر ہلا کر کہا۔ "ہاں میری سنگدلی یا لاپروائی اب میری سمجھ میں آرہی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے جیسے آخری بار التجا آمیز نظروں سے دیکھا لیکن پریتی نے منہ پھیر لیا۔ وہ چیمبر سے باہر آگیا مگر دوسرے کمرے سے گزرتے وقت ٹھٹک گیا۔ وہاں راجیش بچے کو گود میں لئے کھڑا تھا۔ بچے کو دیکھ کر یکبارگی سنجے کا دل سینے میں اچھلنے لگا جیسے لپک کر اس ننھے کو لے لینا چاہتا ہو۔ وہی تو ایک بیٹا رہ گیا تھا۔

امر دو برس کا ہوگیا تھا۔ سنجے اسے دیکھ کر جیسے اپنے بچپن کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ آج بھی البم میں اس کے بچپن کی تصویریں موجود تھیں۔ امر ہو بہو ویسا ہی تھا۔ راجیش نے مسکرا کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو مکرجی صاحب! میرے بیٹے کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

سنجے نے چونک کر بڑھتے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا بہت خوبصورت ہے۔ اسے گود میں لے کر پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

راجیش نے خوش دلی سے کہا۔ "آپ ہی کا ہے۔ ضرور گود میں لے کر پیار کریں۔"

اس نے امر کو سنجے کی طرف بڑھایا۔ سنجے نے اسے گود میں لینے کے لئے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ اسی وقت پریتی چیختی ہوئی بولی۔ "نہیں نہیں۔" وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ "یہ میرا ہے۔ یہ میرا ہے۔" اس نے سنجے کے ہاتھوں میں پہنچنے والے امر کو چھین لیا۔ پھر وہاں سے بھاگ کر واپس اپنے چیمبر کے دروازے پر آئی۔ سہمے ہوئے انداز میں سہلاتے ہوئے بولی۔ "میں نہیں دوں گی۔ میں اپنے بچے کو نہیں دوں گی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ جاؤ۔ جاؤ۔"

اس کی چیخیں سن کر دفتر کے دوسرے لوگ اس کمرے میں آگئے تھے۔ پریتی کی اس اضطراری حرکت سے سنجے بوکھلا گیا تھا۔ دوسروں کی سوالیہ......... نظروں سے گھبرا کر تیزی سے باہر چلا گیا۔ راجیش نے ہاتھ جھٹک کر دفتر کے ملازموں سے کہا۔ "پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم لوگ جاؤ۔ جاؤ بھیڑ نہ لگاؤ۔"

وہ سب حکم کے بندے تھے۔ اپنے اپنے طور پر سوچتے ہوئے چلے گئے۔ راجیش نے پریتی کے قریب آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اپنے ہوش وحواس میں رہو تم نے تو امر کو ایسے چھین لیا جیسے مکرجی صاحب اسے لے کر بھاگنے والے ہوں۔ بیچارے بہت شرمندہ ہوکر گئے تھے۔"

وہ اطمینان کی گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "اچھا ہے پھر کبھی نہیں آئیں گے۔"
وہ پلٹ کر چیمبر میں آ گئی۔ اپنے بیٹے کو جی بھر کر چومنے لگی۔ راجیش نے کہا۔ "ہر شخص اپنے حالات سے مجبور ہوتا ہے۔ مجھے کھتری کی دھرم پتنی سے ہمدردی ہے۔"

پریتی نے چونک کر دیکھا۔ تب اسے خیال آیا کہ بہت دیر پہلے ہی راجیش کے یہاں آنے کا وقت ہو چکا تھا اور وہ بہت دیر پہلے ہی امر کو لے کر یہاں پہنچ گیا تھا اور سنجے کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو سن لی تھی اور اس طرح اس نے اپنے بیٹے امر کے باپ کو پہچان لیا تھا۔

راجیش نے اس کے چونکنے کے انداز کو سمجھتے ہوئے کہا۔ "امر صرف میرا بیٹا ہے اور اسے ہم سے کوئی چھین کر نہیں لے جا سکے گا۔"

وہ راجیش سے لپٹ گئی۔ "تم کتنے اچھے ہو۔ تم محافظ نہ بنتے تو نہ جانے میرا انجام کیا ہوتا؟"

"ہمارا انجام بخیر ہو گا۔ ہمیں اپنے آپ پر اعتماد رکھنا چاہئے۔"
"مجھے اپنے سے زیادہ آپ پر اعتماد ہے۔"
"تو پھر امر کو نرملا دیوی کے پاس لے جاؤ۔"
وہ ایک جھٹکے سے الگ ہو کر بولی۔ "نہیں، وہاں کبھی نہیں لے جاؤں گی۔"
"تم کہتی ہو کہ اپنے بیٹے کو بہت بڑا آدمی بناؤ گی۔ اس سے بڑا پن اور کیا ہو گا کہ امر اتنی سی عمر میں ایک نیم پاگل عورت کو نئی زندگی دے گا۔"
وہ چیخ کر بولی۔ "کیا تم میرے بچے کو مجھ سے چھین کر سوتیلے باپ ہونے کا ثبوت دے رہے ہو؟"

"نہیں پریتی! میں امر کو ہمیشہ کے لئے اپنے سے الگ نہیں کر سکتا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو اپنے ماں باپ کو کیا جواب دوں گا۔ وہ اپنے پوتے کا مطالبہ کریں گے۔"
تب پریتی کو خیال آیا کہ امر صرف اسی کا نہیں بلکہ پورے خاندان کا لاڈلا ہے اور کوئی اسے نرملا کی گود میں دینا منظور نہیں کرے گا۔ اس نے پوچھا۔ "پھر تم اسے نرملا کے پاس کیوں پہنچانا چاہتے ہو؟"

"ہم خود اسے لے جائیں گے۔ وہاں دیکھیں گے۔ اگر اس عورت کی ممتا کا زخم

بھرے گا تو ہم اس کے نارمل ہونے تک روز امر کو اتنی دیر وہاں رکھیں گے جتنی دیر تم اپنے دفتر اور عدالت میں مصروف رہتی ہو۔ فرصت کے وقت تمہارا بیٹا تمہارے ہی پاس رہا کرے گا۔"

"نہیں راجیش نہیں۔ میں مصروف رہا کرتی ہوں۔ وہاں امر کو زیادہ پیار ملے گا اور وہ اسے بہلائیں گے پھسلائیں گے تو وہ انہی کا ہو کر رہ جائے گا۔"
"تم ماں ہو تمہارے دل میں ہزاروں خدشات جنم لیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ امر ان کی طرف زیادہ مائل ہو گا تو ہم اسے وہاں نہیں لے جائیں گے۔ بلکہ کچھ دنوں کے بعد ہی کھتری صاحب کو مشورہ دیں گے کہ کسی یتیم خانے سے کوئی بچہ گود لے لیں۔"

"میں آج ہی انہیں یہ مشورہ دوں گی۔ چلئے میں تیار ہوں۔"
پریتی نے ایک ہاتھ سے بچے کو سنبھالا۔ دوسرے ہاتھ میں پرس لیا۔ پھر راجیش کے ساتھ باہر آ کر کار میں بیٹھ گئی۔ تمام راستے وہ امر کو سینے سے لگائے رہی۔ کوئی ایسا بہانہ سوچتی رہی کہ راستہ بدل کر اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے گھر پہنچ جائے۔ نرملا کی طرف نہ جانے کی کوئی معقول وجہ پیدا ہو جائے لیکن ان کی کار سنجے کی کوٹھی کے احاطہ میں پہنچ گئی۔
سنجے ابھی تک گھر واپس نہیں پہنچا تھا۔ شاید غم غلط کرنے کے لئے کہیں بار میں بیٹھ کر پی رہا ہو گا۔ پریتی نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر راجیش کو وہاں بیٹھنے کے لئے کہا اور امر کو گود میں لئے نرملا کی خواب گاہ میں گئی۔ وہاں رشتے کی کچھ عورتیں تھیں۔ نرملا بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ پریتی اور بچے کو دیکھ کر اٹھنے لگی وہ بہت بیمار تھی اس میں اٹھنے کی بھی سکت نہ تھی۔ پریتی نے قریب جاتے ہوئے کہا۔ "آپ آرام سے لیٹی رہیں۔ میں اپنے بیٹے کو خود ہی لا رہی ہوں۔"

نرملا نے کہا۔ "نہیں۔ یہ.......... یہ میرا بیٹا ہے۔ تم اسے کہاں لے گئی تھیں؟"
پریتی ٹھٹک گئی۔ پہلے تو جی میں آیا کہ اپنے بیٹے کو لے کر واپس بھاگ جائے۔ پھر خیال آیا کہ نرملا ممتا کی ماری ہے۔ اپنے حواس میں نہیں رہتی ہے۔ اسے بچے کی صورت دکھا کر واپس نہیں لے جانا چاہئے۔ پریتی کو سوچ میں دیکھ کر نرملا نے نقاہت سے کہا۔
"آہ! مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں دوسرے بچوں کو اپنا کہہ کر ان کی ماؤں کو پریشان کرتی

ہوں۔ پریتی! میں پاگل نہیں ہوں۔ مگر پتہ نہیں کیسے میں آپ ہی آپ بکواس کرنے لگتی ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ یہ بچہ تمہارا ہی ہے۔"

پریتی نے فوراً ہی مطمئن ہو کر اپنے بیٹے کو اس کے پاس پلنگ پر بٹھا دیا۔ نرملا نے امر کو ادھر ادھر سے چھو کر دیکھا جیسے اس میں اپنے شوہر کو دیکھ رہی ہو۔ پھر وہ اسے ٹھہر ٹھہر کر چومنے اور اس کی تعریف کرنے لگی۔ اتنے میں سنجے آ گیا۔ وہ خوش ہو کر بچے کو نرملا کے پاس دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ قریب آ کر احسان مندی سے بولا۔ "پریتی! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟"

نرملا نے کمزور سی آواز میں کہا۔ "سب لوگوں کو یہاں سے جانے کے لئے کہہ دیں۔ میں پریتی سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

سنجے نے تمام رشتہ داروں کو خواب گاہ سے باہر جانے کے لئے کہا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو نرملا نے سنجے سے کہا۔ "آپ بچے کو گود میں لے کر وہاں میرے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ پریتی تم سنجے کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ۔ جلدی کرو۔"

سنجے نے بچے کو گود میں لیا۔ پھر پلنگ کی پائنتی جا کر نرملا کی نگاہوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پریتی بھی جھجکتی ہوئی سنجے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ نرملا نے ایک گہری سانس چھوڑ کر کہا.......... "ایک وقت آپ مجھے طلاق دینا چاہتے تھے۔ اب بھی میں ماں نہیں بن سکی۔ پریتی میں تم سے.......... التجا کرتی ہوں کہ سنجے کو اس بچے سے محروم نہ کرنا۔ تم چاہو تو طلاق لے کر سنجے سے شادی کر سکتی ہو میں.......... میں اپنی زندگی سے طلاق لے کر جا رہی ہوں۔"

"نرملا! ایسا نہ کہو۔ یہ بچہ صرف ہمارا نہیں تمہارا بھی ہے۔ تم زندہ رہو گی اور یہ بچہ تمہاری گود میں پروان چڑھے گا۔"

پریتی نے کہا۔ "نرملا دیوی! آپ عورت ہونے کے ناتے سمجھ سکتی ہیں کہ میں خواہ مخواہ راجیش سے طلاق نہیں لوں گی۔ آپ میری خاطر اپنے شوہر کو چھوڑ سکتی ہیں تو میں آپ کی خاطر اپنے بیٹے کو آپ کے پاس چھوڑ سکتی ہوں۔ دنیا میں آ کر بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ آپ زندگی کو ہارنے کی بات نہ کریں۔"

نرملا کی آنکھیں سنجے اور امر کو دیکھتے دیکھتے ساکت ہو گئیں۔ پریتی نے اسے آواز

دی۔ "دیوی جی! امر آپ ہی کو ماں سمجھے گا آپ اسے آواز دیں۔ یہ گود میں آ جائے گا۔"

سنجے نے پوچھا۔ "نرملا چپ کیوں ہو؟ امر کو آواز دو۔"

دونوں باری باری نرملا کو پکارتے رہے۔ پھر سنجے امر کو پریتی کی گود میں دے کر اس کے پاس پہنچا۔ تب پتہ چلا کہ وہ اپنے بانجھ مقدر پر تھوک کر اس دنیا سے جا چکی ہے۔ سنجے نے سر اٹھا کر کہا۔ "نرملا.......... نرملا نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے پریتی۔"

پریتی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے اپنے بیٹے کو اپنے سینے کے ساتھ زور سے بھینچ لیا۔ پھر سر جھکا کر وہاں سے پلٹ کر آہستہ آہستہ خواب گاہ سے باہر چلی گئی۔

☆------☆------☆

سنجے کئی ماہ تک سوگ مناتا رہا۔ نرملا سے سترہ سال تک رفاقت رہی تھی۔ وہ سوگ نہ منا کر دوسری شادی کی فکر کرتا.......... تو برادری والے برا مانتے۔ پھر سیاست میں بھی کچھ یوں الجھنا پڑ گیا کہ مصروفیات میں ایک برس بیت گیا۔ تاہم اس نے ایک برس میں چار مرتبہ پریتی سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ دو بار وہ فون اٹینڈ کرنے کے لئے موجود نہیں تھی۔ تیسری بار اس نے اٹینڈ کیا تو سنجے نے کہا۔ "پریتی! میں شادی کے بندھن سے آزاد ہو گیا ہوں۔ اب میرے آگے پابندیاں نہیں ہیں۔"

وہ بولی۔ "میں شادی کے بندھن میں ہوں۔ میرے آگے پابندیاں ہی پابندیاں ہیں۔"

چوتھی بار اس نے فون پر کہا۔ "پریتی! یاد کرو نرملا کی آخری خواہش کیا تھی؟ وہ مجھے اور تمہیں اور امر کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتی تھی اب بھی اس کی آتما (روح) ہمیں ساتھ دیکھنے کے لئے بے تاب ہو گی۔"

"سنجے! زندہ لوگوں کی آتمائیں بھی بے چین ہوتی ہیں۔ اگر ان سے بے وفائی کی جائے۔ میں راجیش کی جیتی جاگتی دنیا میں رہتی ہوں۔ کسی سے بے وفائی میرا شیوہ نہیں ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر ایک دن راجیش نے بتایا کہ سنجے سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے رات کو کھانے کی دعوت دی ہے۔ پریتی نے کہا۔ "میں تو نہیں جاؤں گی۔"

"میں وعدہ کر چکا ہوں۔ تم انکار کرو گی تو میری زبان جھوٹی پڑے گی۔"

"تم نے مجھ سے پوچھے بغیر وعدہ کیوں کیا؟"

"پریتی! صاف بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم مکرجی صاحب کا سامنا کرو۔ ایک بار نہیں دس بار ملو اور دس بار اپنے دل کو ٹٹولو۔ یہ دیکھو کہ دل کے کسی گوشے میں اب بھی کہیں مکرجی صاحب رہ گئے ہیں یا نہیں؟"

"نہیں........." وہ سخت لہجے میں بولی۔ "میں تمہاری پتنی ہوں۔ اب میرے سینے میں کسی نادان محبوبہ کا نہیں تمہاری پتنی کا دل ہے۔ ایسی باتیں کہہ کر میری توہین نہ کرو۔"

"جب ایسی بات نہیں ہے تو پھر چلو! اور یہ سمجھ کر چلو کہ امر اس کا بیٹا بھی ہے اور وہ بھی کبھی اسے دیکھنے کا حق رکھتے ہیں۔"

"راجیش! تمہاری یہ بات اگر امر کے دماغ میں بیٹھ گئی تو اس پر کیا اثر ہوگا؟"

"سوری پریتی! آئندہ یہ بات میری زبان پر نہیں آئے گی اب تو چلو۔"

وہ دونوں رات کے آٹھ بجے سنجے کی کوٹھی میں پہنچے۔ وہ ان کا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت فکر مند رہنے لگا ہے۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے اس نے پوچھا۔ "آپ لوگ امر کو نہیں لائے؟"

"وہ اس وقت سو جاتا ہے۔"

سنجے نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آیئے پہلے کھانا کھالیں۔"

پریتی نے کہا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں آج آخری بار یہ پوچھنے آئی ہوں کہ آپ چاہتے کیا ہیں؟"

اس نے پریتی کو دیکھا۔ پھر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے محبت سے جو کچھ چاہا وہ مجھے نہیں ملا۔ اس میں میری غلطی اور مجبوریاں بھی ہیں لیکن اب جبکہ میں پانے کی منزل پر آیا ہوں تو کچھ پالینا چاہتا ہوں۔"

پریتی نے پوچھا۔ "صاف لفظوں میں کہئے۔ آپ کیا پانا چاہتے ہیں؟"

وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچانے لگا۔ راجیش نے کہا۔ "اگر میری وجہ سے ہچکچاہٹ ہے تو میں تھوڑی دیر کے لئے باہر چلا جاؤں؟"

"نہیں راجیش! میرا اور پریتی کا ماضی تم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ میں تم سے ہی پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اپنے بندھن سے پریتی کو آزاد کر سکتے ہو؟"

پریتی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ چیخ کر بولی۔ "میں آزاد نہیں ہونا چاہتی۔ آپ کون ہوتے ہیں، مجھے راجیش سے الگ کرنے والے؟"

راجیش نے کہا۔ "پریتی! بیٹھ جاؤ۔"

"میں نہیں بیٹھوں گی۔ میں عورت ہوں کھلونا نہیں ہوں کہ پہلے ایک کے پاس پھر دوسرے کے پاس اور پھر پہلے کے پاس۔ کیا میں بازاری ہوں؟ آپ دونوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میرے متعلق ایسی باتیں کریں۔"

راجیش نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک شوہر کی حیثیت سے حق پہنچتا ہے کہ میں تمہاری پچھلی محبت کا حساب کروں۔ سنو پریتی! دل میں جگہ بنانے والی جتنی چیزیں ہیں۔ ان میں سب سے گہری جگہ بنانے والی چیز محبت ہے۔ یوں بھی یہ سچ ہے کہ عورت اپنی پہلی محبت کو کبھی نہیں بھولتی۔"

پریتی نے کہا۔ "بے شک یہ سچ ہے۔ بشرطیکہ مرد بھی سچا ہو۔ ایسا جھوٹا اور بزدل نہ ہو کہ اپنے بچے کو اپنا نام نہ دے سکے۔"

سنجے نے عاجزی سے کہا۔ "تم میری مجبوریاں جانتی ہو۔"

"جانتی تھی۔ جب راجیش نے حوصلہ دکھایا۔ جو کام آپ نہ کر سکے اور انہوں نے کر دکھایا تو فرق معلوم ہوا کہ آپ مجبور نہیں......... بزدل تھے۔"

"حالات انسان کو بزدل بنا دیتے ہیں۔ راجیش کی زندگی میں بھی بزدلی کے مواقع آسکتے ہیں پریتی! یہ تمہیں طلاق دے سکتے ہیں جیسا کہ میں نرملا کو طلاق دینے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔ ایک مرد کے لئے ایک عورت کو چھوڑنا آسان ہوتا ہے لیکن بچہ چھوٹ نہیں سکتا۔ راجیش! تم امر کو چھوڑنا چاہو گے تو تمہارے ماں باپ جو دادی دادا بن گئے ہیں۔ وہ تمہارا محاسبہ کریں گے۔ بہو تو آتی جاتی چیز ہوتی ہے۔ تمہیں سارے خاندان کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اگر تم امر کو چھوڑنا چاہو گے۔ کیونکہ وہ تمہاری اولاد سمجھا جا رہا ہے۔ تم اسے اولاد ماننے سے انکار کرو گے تو عدالت میں ارونا کی دی ہوئی بدنامی لوٹ آئے گی۔ اس موقع پر تم بھی بزدل کی طرح خاموش رہنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ کیا میں غلط

کہہ رہا ہوں۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔ میں نے اس بچے کا باپ بن کر پریتی کے ساتھ جو نیکی کی ہے اسے دنیا نہیں سمجھے گی۔ اسے میری بے غیرتی اور نامردی سمجھے گی۔ پھر ایک بار میرے چاروں طرف بدنامی کے دروازے کھل جائیں گے۔ بے شک میں بھی مجبور اور بزدل ہوں۔"

کیسی دنیا ہے یہ؟ بزدلوں سے بھری پڑی ہے۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ سچ کو سچ کہہ سکے۔ پریتی کے دائیں طرف راجیش کھڑا تھا اور بائیں طرف سنجے کھڑی تھا۔ امر ایک کا بیٹا نہیں تھا مگر وہ اسے بیٹا کہنے پر مجبور تھا۔ امر دوسرے کا بیٹا تھا۔ مگر وہ باپ کے رشتے سے انکار کرنے پر مجبور تھا۔ مہذب لوگوں کے درمیان مجبوریوں کے رشتے زیادہ ہوتے ہیں۔

پریتی نے دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا۔ "اگر اسی طرح انسان حالات کا غلام ہوتا ہے تو آپ دونوں غلام میرے لئے برابر ہیں۔ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکتی۔ مجھے تو اسی خاندان میں رہنا ہے' جہاں میں اب رہتی ہوں۔ ویسے آپ دونوں کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ میرے بچے کے سلسلے میں کون سینہ ٹھونک کر سچ کہہ سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ دونوں کے درمیان سے نکل کر جانے لگی۔ دروازے پر پہنچ کر وہ ذرا ٹھہر گئی۔ دونوں کی طرف دیکھ کر بولی۔ "سماج میں خود کو معزز اور جائز بنا کر رکھنے کے لئے ایک ننھے سے بچے کو ناجائز کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ آپ لوگوں کے پاس ذرا سی بھی عقل ہے تو سچ کو پہچانیں اور سچ یہ ہے کہ میرا بچہ جائز ہے اور آپ دونوں کی تہذیب ناجائز ہے۔"

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ راجیش نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "رک جاؤ پریتی! اگر تم چیلنج کے انداز میں بولو گی تو میں پھر بدنامی مول لے کر تمہیں اور امر کو چھوڑ سکتا ہوں۔"

سنجے نے کہا۔ "تم چھوڑ دو۔ میں پریتی کو اپنا لوں گا۔"

وہ بولی۔ "اونہہ' نہ تم مجھے چھوڑ سکتے ہو اور نہ سنجے اب مجھے اپنا سکتے ہیں کیونکہ آپ دونوں حالات سے مجبور ہو جاتے ہیں اور اب حالات یہ ہیں کہ میں راجیش کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"

راجیش دھپ سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر خوشی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کا بچہ جنم لینے والا تھا۔

سنجے صوفے پر گرا اور اس میں دھنس کر رہ گیا۔ اب اگر وہ پریتی کو اپنانے کی بات کرتا تو پریتی کے ساتھ دوسرے کا بچہ اس کے گھر پیدا ہوتا۔ جیسے اس کا بچہ دوسرے کے گھر ہوا تھا۔

ان سب کے پیروں میں پھر حالات کی زنجیریں پڑ گئی تھیں۔

☆------☆------☆